ماہنامہ

خضرِ راہ

August 2013

₹ 20/-

گھر کے ہر فرد کی فکری اور روحانی
تسکین کا سامان
ماہنامہ خضر راہ

آسان زبان میں اسلامی افکار
وخیالات کا انمول خزانہ
ماہنامہ خضر راہ

سفر وحضر کا بہترین ساتھی
ماہنامہ خضر راہ

سوسائٹی کو سیرت نبوی میں ڈھالنے
کے لیے پڑھیں اور پڑھوائیں
ماہنامہ خضر راہ

توحید: انسانیت کا پہلا آسمانی پیغام

علم کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہونا چاہیے

حدیث موضوع: تعریف وتفہیم

اسلام ایمان احسان

زیر سرپرستی داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

خضرِ راہ

شمارہ 08

جلد 01

اگست ۲۰۱۳

رمضان/شوال ۱۴۳۴

مجلس منتظمہ

نگراں : غلام مصطفیٰ ازہری

سرکولیشن منیجر : محمد اختر رضا

کمپوزر : ظفر عقیل سعیدی

تزئین کار : محمد طارق رضا

مولانا حسن سعید صفوی

نگراں اعلی شاہ صفی اکیڈمی

مدیر اعلی : شوکت علی سعیدی

مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن

معاون مدیر : ضیاء الرحمٰن علیمی

معاون مدیر : اشتیاق عالم مصباحی

نوٹ: مضمون نگار کے افکار و نظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ

Shah Safi Academy, HDFC Bank, B.O.:Salahpur A/c : 22631450000118, IFSC CODE HDFC 0002263
Shah Safi Academy, BANK OF BARODA, A/c : 48810100001809 IFSC CODE BARBORASKOI, MICR CODE : 21101154

قیمت فی شمارہ	₹ 25 :
قیمت فی شمارہ (لائبریری اور سرکاری ادارے)	₹ 40 :
قیمت سالانہ (سادہ ڈاک)	₹ 250 :
قیمت سالانہ (رجسٹری ڈاک)	₹ 500 :
لائبریری اور سرکاری ادارے	₹ 500 :
بیرون ممالک	$ 40 :
اعزازی ممبر شپ	₹ 5000 :

ڈرافٹ
SHAH SAFI ACADEMY
کے نام بنوائیں

مراسلت کا پتہ

ماہنامہ خضرِ راہ

KHIZR-E-RAH (MONTHLY)
SHAH SAFI ACADEMY
JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213
E-mail : khizrerah@gmail.com
Mob.: 9312922953, 7752976664

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER SHAUKAT ALI
PRINTED BY KAINAT PUBLICATION & PRINTERS, 14-H, SOUTH HOUSING SCHEME, TULSIPUR, ALLAHABAD and published from JAMIA ARIFIA Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213. Editor - Shaukat Ali

ناشر شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

جہاں گیر حسن مصباحی

تعلیم کی تفہیم

دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں جو تعلیم کے خلاف ہو یا اس کی افادیت کا منکر ہو۔البتہ!تعلیم کے سلسلے میں لوگوں کے نظریات مختلف ضرور ہیں،مثلاً: کچھ لوگ دنیا کمانے کے لیے تعلیم حاصل کرتے ہیں، کچھ لوگ اپنے علمی دبدبے کا لوہا منوانے کے لیے تعلیم حاصل کرتے ہیں، کچھ لوگ کمزوروں پر اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ کچھ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

لیکن اسلام ایک ایسا دین ہے جو تعلیم کے حصول پر اس لیے زور دیتا ہے تاکہ اللہ کی معرفت اور خالقِ کائنات کی پہچان ہو سکے۔کیوں کہ وہ تعلیم ؛تعلیم ہی نہیں جو خالق کائنات کی پہچان کرانے سے قاصر ہو۔

چنانچہ ہر اس تعلیم کا حصول نہایت ضروری ہے، جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرانے میں مددگار ہو،خواہ دنیاوی تعلیم ہو یا دینی۔دنیاوی تعلیم تو اس لیے کہ اس کے ذریعے دوسروں تک دین پہنچانا ممکن ہو اور دینی تعلیم تو اس لیے کہ اس کے ذریعے آخرت کو سنوارا جاسکے۔

اب اگر کوئی دنیاوی تعلیم کو صرف اس بنیاد پر نظرانداز کردے کہ وہ انسان کو دین سے دور کردیتا ہے تو اس میں دنیاوی تعلیم کی کیا تخصیص ہے،بسا اوقات دینی تعلیم حاصل کرکے بھی انسان اللہ رب العزت سے دور ہوجاتا ہے تو کیا اس بنیاد پر یہ کہا جائے کہ اس شخص کو دینی تعلیم نہیں حاصل کرنا چاہیے جسے دینی تعلیم اللہ رب العزت سے دور کردیتی ہے۔نہیں، ہرگز نہیں۔

کیوں کہ کوئی بھی تعلیم ، چاہے دینی ہو یا دنیاوی؛ اپنے آپ میں بری نہیں ہوتی ، بلکہ یہ انسان کے اوپر ہے کہ اس تعلیم کو کس کام کے لیے استعمال کرتا ہے،مثلاً: ایک انسان دنیاوی تعلیم سے آخرت کا توشہ حاصل کرتا ہے اور ایک انسان دینی تعلیم کو حصول دنیا کا ذریعہ سمجھتا ہے،اب ان دونوں میں کسے اچھا کہا جائے اور کسے برا؟

اس لیے ہمارا یہ ماننا ہے کہ دینی تعلیم ہو یا دنیاوی تعلیم ،اگر اس سے اللہ کی رضا حاصل کرنا مقصود ہو تو دنیا و آخرت دونوں میں انسان کے لیے کامیابی ہے اور اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ بنے تو دنیا و آخرت دونوں میں انسان کی ناکامی ہے۔

علما و مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے تقریباً سوز بانوں کا علم عطا فرمایا تھا۔اب ہمیں کوئی بتائے کہ ان سو زبانوں میں کتنی زبان دینی تھی اور کتنی زبان دنیاوی؟ کیا ان مختلف زبانوں کو جاننے کے بعد حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام دنیا کے حصول میں گم ہوگئے؟اور کیا حکم ربی کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کے غلام بن گئے؟ بالکل

نہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ ان تمام زبانوں کو جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوا، بلکہ خالق و مالک سے ان کا رشتہ مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔

علاوہ ازیں جب ہم اپنے اسلاف کی حیات وخدمات کا جائزہ لیں تو بہت سے ایسے اسلاف مل جائیں گے جنھوں نے دینی تعلیم میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ دنیاوی تعلیم میں بھی کمال حاصل کیا اور ایسے علمی یادگار چھوڑے کہ بعد میں اسی تعلیم کو اپنا کر لوگ دنیا کے سرتاج بن بیٹھے۔لیکن ہمارے یہ اسلاف نہ تو بے دین ہوئے اور نہ ہی ان کی دینداری میں کچھ فرق آیا۔

اس لیے ہمیں ایسی فکر سے جہاں تک ہوسکے پرہیز کرنا چاہیے اور کسی بھی تعلیم کو فی نفسہ برا نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ ہر طرح کی تعلیم کی اپنی اہمیت وافادیت ہے۔ نیز یہ کہ ہر طرح کی تعلیم کا خالق بھی تو اللہ رب العزت ہی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ایک چیز اچھی ہو اور اسی کی پیدا کی ہے ہوئی دوسری چیز بری ہو، کیوں کہ یہ نقص ہے اور خالق کائنات ہر طرح کے نقص وعیب سے پاک وصاف ہے۔

جب تک یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا دینی اور دنیاوی ہر دواداروں میں تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا ہوگا، طلبہ نئے جوش اور ولولے کے ساتھ تعلیم کے حصول میں منہمک ہوں گے، جن میں مختلف خیالات رکھنے والے طلبہ ہوتے ہیں۔ کچھ طلبہ ایسے ہوتے ہیں جن کا مقصد بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازمت حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی معاشی بدحالی دور کرسکیں اور اسی میں ان کی پوری زندگی گزر جاتی ہے، کچھ طلبہ کا مقصد ایڈمنسٹریسن میں جانا ہوتا ہے تاکہ وہاں جاکر وہ جاہ وحشمت حاصل کرنے کے ساتھ مال ودولت جمع کرسکیں۔ جب کہ مدارس اسلامیہ کے طلبہ عام طور پر یا تو تدریسی خدمات انجام دینے میں منہمک ہوجاتے ہیں، یا پھر خطابت کی دنیا میں اپنا رنگ جمانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ جملہ اعمال فی نفسہ برے نہیں ہیں۔لیکن جب ان اعمال کرنے میں نفسانی خواہشات کا عمل دخل ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب نہ ہو اور محض دنیاوی عیش وعشرت ہی حاصل کرنا اصل مقصود ہو تو پھر یہ اعمال ایک انسان کی دنیا کو خوبصورت تو بنا سکتے ہیں مگر اس کی آخرت نہیں نہیں بنا سکتے۔ جب کہ انسان کی کامیابی اس میں ہے کہ: اس کی دنیا آخرت کی کھیتی ہو۔ (الدنیا مزرعة الآخرة)

اس تعلق سے اس شمارے میں خصوصی مضامین پیش کیے گئے ہیں جنھیں پڑھ کر بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کون سی تعلیم نافع ہے اور کون سی تعلیم غیر نافع، ہماری تعلیم کیسے آخرت کی کھیتی بن سکتی ہے، کس طرح کی تعلیم حاصل کرنے سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے اور دین کی کس عصری تعلیم کی آج ہمیں حاجت وضرورت ہے۔

٭٭٭

توحید: انسانیت کے نام پہلا آسمانی پیغام

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝۲۱ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۲ (بقرہ)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا تا کہ تمھیں تقویٰ حاصل ہو۔ جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش اور آسمان کا شامیانہ لگایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھلوں کو پیدا کیا۔ لہٰذا حقیقت جانتے ہوئے دوسروں کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

توحید قرآن کا بنیادی پیغام ہے۔ جتنے انبیائے کرام اور رسولانِ عظام آئے ان سب کی دعوت کا مرکزی عنوان توحید تھا۔ توحید کفر و شرک کے بیچ کی راہ ہے۔ انسان کبھی تو عالم اسباب میں ایسا گم ہوجاتا ہے کہ وہ سرے سے اپنے خالق کا ہی انکار کر بیٹھتا ہے اور کبھی ایسا وہمی اور ضعیف الاعتقاد ہوجاتا ہے کہ ایک اللہ کے ساتھ دوسرے باطل خداؤں کو بھی پوجنا شروع کر دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیا آئے سب کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ انسانوں کو کفر و شرک کے افراط و تفریط سے بچاتے ہوئے توحید کے معتدل راستے پر قائم کر دیں۔

قرآن؛ مومنین، منکرین اور منافقین کے تعارف کے بعد انسانوں کو جو پہلا حکم دیتا ہے وہ اسی توحید کا حکم ہے، کیوں کہ اس آیت میں عبادت کا حکم ہے اور حضرت ابن عباس کے بقول: قرآن میں جہاں بھی ''عبادت'' کا لفظ آیا ہے اس سے توحید مراد ہے۔ (البغوی زیر آیت مذکور)

اس حکم کے لیے قرآن نے جو لب و لہجہ اختیار کیا ہے وہ انتہائی منطقی اور موزوں ہے۔ اس حکم کے لیے قرآن نے مومنین، منکرین یا منافقین کو مخاطب نہیں کیا ہے بلکہ یاایہا الناس کہہ کر پوری انسانی برادری کو اس عظیم دعوت کا مخاطب بنایا ہے۔ پھر اس کے بعد اس دعوت پر بالکل سامنے کی چیزوں کو بطور شواہد و دلائل پیش کیا ہے، ارشاد ہوا اپنے رب کی عبادت کرو:

۱۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔
۲۔ جس نے تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا۔
۳۔ جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا۔
۴۔ جس نے تمہارے لیے آسمان کا شامیانہ لگایا۔
۵۔ جس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے تمہارے لیے قسم قسم کے پھل پیدا کیے۔

ظاہر ہے کہ جس ذات برتر کی یہ شان ہو اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت انتہائی درجے کا ظلم ہوگا۔ قرآن کی اس

دعوت میں ہمارے لیے کئی ایک پیغام ہیں، مثلاً:

۱۔ توحید اسلام کی سب سے بنیادی دعوت ہے۔

۲۔ ہمیں سب سے پہلے توحید کی دعوت دینی چاہیے۔

۳۔ انسانی برادری تک توحید کی دعوت پہنچانا ہم پر فرض ہے۔

۴۔ توحید کی دعوت منطقی دلائل اور عقلی شواہد پر ہونی چاہیے۔

۵۔ توحید کی علمی وفکری دعوت اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک لوگ اپنے خالق کے وجود کے اعتراف کے ساتھ جھوٹے خداؤں سے براءت کا اظہار نہ کرلیں۔

حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ العالی فرماتے ہیں:

''اس وقت علمی وفکری جنگ کا سب سے بڑا محاذ دین داروں اور بے دینوں کے درمیان، دین داری اور لا دینیت کا ہے۔ سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے کو بھول جائیں اور اس جرم کا ارتکاب کچھ لوگ اعلانیہ اور کچھ غیر اعلانیہ کرنے لگے ہیں۔ اعلانیہ انکار کرنے والوں کو ملحد (Atheist) کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے خالق کے باغی انسان ہیں، جو شب وروز مذہب دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے خلاف تمام مذاہب کے رہنماؤں کا متحد ہونا ضروری ہے تاکہ الحاد کا خاتمہ یا اس کے تناسب کو کم سے کم کیا جا سکے۔

مذہب کا غیر اعلانیہ یا خاموش انکار کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ ایسے لوگ کسی بھی مذہب کے پیروکار کی شکل میں نظر آسکتے ہیں۔ ہندوؤں میں اپنے دیوی دیوتاؤں کا مذاق تو ایک عام سی بات تھی، اب مسلم گھروں میں بھی تیزی سے ایسے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں جو داڑھی رکھ کر بھی داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو سال میں ایک دو نمازیں ادا کر کے بھی نماز اور نمازیوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذہب ان کی تہذیب کا حصہ ہے نہ کہ دین کا حصہ۔ بے دینی کے ان جراثیم کو بھی پتہ کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے کے لیے مذہبی رہنماؤں کا فکر مند ہونا ضروری ہے۔

لا دینیت کی طرح ہی دینی تشدد بھی دین ومذہب کے لیے زہر ہے۔ مذہبی تشدد ملحدین ومنکرین کو مذہب کے خلاف لکھنے اور بولنے کے مواد فراہم کرتا ہے۔ وہ مذہبی متشددین کا حوالہ دیتے ہوئے سرے سے مذہب کو ہی تشدد پسند اور خوں ریز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے دین ومذہب کی سلامتی اور اس زمین پر اس کے پیدا کرنے والے کا ذکر بلند رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مذہبی تشدد کے خلاف بھی اہل مذاہب متحد ہوں اور ایک ایسا لائحۂ عمل تیار کریں کہ لا دینیت کا صفایا ہو سکے۔''

لا دینیت مخالف محاذ (Anti Secularism Movement) کے ساتھ مسلمانوں کے لیے دوسرا سب سے بڑا محاذ یہ ہے کہ وہ پوری انسانی برادری کو توحید کی دعوت دیں۔ اس کے لیے اسلوب قرآنی رکھیں جس میں بالکل سامنے کی چیزوں سے شواہد پیش کیے گئے ہیں۔

قرآن نے توحید کی دعوت کے لیے انفس وآفاق سے شواہد پیش کیے ہیں اس لیے توحید کی دعوت میں مسلمانوں کو منطقی اسلوب میں فلسفیانہ اور سائنسی استدلال کے ذریعے اپنی بات رکھنی چاہیے۔ حضرت داعی اسلام فرماتے ہیں:

''بعض احادیث سے موحدین کی بخشش کی امید کا اشارہ ملتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا اقل ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ پوری انسانیت تک توحید کی دعوت پہنچا دیں۔ کیا عجب کہ اللہ کی رحمت جوش میں آئے اور ان لوگوں کو بھی بخشش کا پروانہ مل جائے جو کم از کم اپنے خالق ومالک کو ایک مانتے ہیں۔''

حضرت شیخ کا اشارہ غالباً باب شفاعت کی ان احادیث کی طرف ہے جن کے اندر موحدین کی بخشش کا ذکر آیا ہے، مثلاً: امام مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''حدیث میں ہے: جب حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے داخل جناں فرماتے جائیں گے، اخیر میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی حسنہ نہیں۔ شفیع مشفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر سجدے میں گریں گے، حکم ہوگا: یَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَاسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمھیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ (ت)

سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے:

یَا رَبِّ اِئْذَنْ لِیْ فِیْ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

اے میرے رب! مجھے ان کے لیے بھی پروانگی (اجازت) دے دے جنھوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہے۔

رب العزت عزّ جلالہ ارشاد فرمائے گا:

لَيْسَ ذَاكَ إِلَيْكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِىْ وَ كِبْرِيَائِىْ وَعَظَمَتِىْ وَجِبْرِيَائِىْ لَأُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ رواہ الشیخان عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ تمہارے لیے نہیں مگر مجھے اپنی عزت وجلال وکبریائی کی قسم میں ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے (اس کو بخاری ومسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)''

(فتاوی رضویہ، ج: ۳۰، ص: ۲۸۴)

اس مقام پر حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کا ایک حوالہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں: ''اللہ کی وسیع رحمت کو وسیع سمجھو اور ربانی امور کو اپنے محدود پیمانوں سے مت ناپو۔ جان لو کہ آخرت دنیا سے قریب ہے۔ تمہاری تخلیق اور تمہاری بعثت آن واحد جیسی ہے۔ (مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ) تو جس طرح اکثر اہل دنیا نعمت وراحت میں ہیں، یا قابل رشک حالت میں ہیں، کیوں کہ اگر انھیں زندگی اور موت میں اختیار دیا جائے تو یقینا وہ زندگی کو ترجیح دیں گے جب کہ زندگی سے بیزار موت کی آرزو کرنے والا شاذ ونادر ہی کوئی ہوگا۔ اسی طرح آخرت میں نجات پانے والوں اور جہنم سے نکالے جانے والوں کے بالمقابل جہنم میں دائمی طور پر رہنے والے شاذ ونادر ہی ہوں گے، کیوں کہ ہمارے احوال کے بدلنے سے اللہ کی صفت رحمت نہیں بدل جائے گی اور دنیا وآخرت تو فقط ہمارے احوال کی تبدیلی کا نام ہے، اگر ایسا نہ ہو تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے کوئی معنی نہ ہوں گے: پہلی کتاب میں سب سے پہلے اللہ نے یہ لکھا: میں اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میری رحمت میرے غضب سے وسیع ہے۔ اس لیے جس نے بھی اس بات کی شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اس کے لیے جنت ہے۔

یہ بات بھی جان لو کہ اخبار وآثار سے قطع نظر بھی ارباب بصیرت کو اس بات کا کشف ہوا ہے کہ رحمت الٰہی وسیع اور عام وتام ہے لیکن اس کا ذکر تفصیل طلب ہے۔'' (فصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ، الفصل الثانی عشر، قضایا النجاۃ والشفاعۃ والرحمۃ الالٰہیہ)

☆☆☆

اصغر علی مصباحی

علم کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہونا چاہیے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں علم بھی ایک عظیم نعمت ہے جو انسان کو سماج و معاشرے میں فضل و شرف بخشنے کے ساتھ دین و دنیا دونوں میں کامیاب بناتا ہے۔

ہم یہاں چند منتخب احادیث کریمہ پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں علم کی حقیقت و افادیت واضح ہوتی ہے۔

علم کی فضیلت

● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهٗ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضَاءً لِّطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيْتَانُ فِي الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ، كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، أَنَّ الْعُلَمَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهٖ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔ (سنن ابن ماجہ، فضل العلماء)

ترجمہ: جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے تو اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے، اس کی خوشی کے لیے فرشتے اپنا پر بچھا دیتے ہیں، زمین و آسمان کی ساری چیزیں، یہاں تک کہ پانی میں رہنے والی مچھلیاں بھی اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے، جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے۔ علما، انبیا کے وارث ہیں، کیونکہ انھوں نے علم کی وراثت چھوڑی ہے نہ کہ درہم و دینار کی، پس جس نے علم حاصل کر لیا تو گویا اس نے انبیا کی وراثت سے زیادہ سے زیادہ حصہ پایا۔

● ایک دوسری حدیث پاک میں ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

(مسلم، باب النہی عن المسئلہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے علم دین حاصل کر لیا اور جسے اللہ رب العزت نے دین کی سمجھ بھی عطا فرما دی وہ قابل مغفرت ہے اور اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان ہے۔ لیکن رب کا یہ انعام بندے کو اسی صورت میں ملتا ہے، جب کہ اس نے رضائے الٰہی کے لیے علم حاصل کیا ہو اور اخلاص کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا ہو۔

● نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

يَا أَبَا ذَرٍّ! لِأَنْ تَغْدُوْ فَتَتَعَلَّمَ آيَةً مِّنْ كِتَابِ اللهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ، وَلِأَنْ تَغْدُوْ فَتَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عَمِلَ بِهٖ أَوْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تُصَلِّيَ أَلْفَ رَكْعَةٍ۔

(ابن ماجہ، فصل من تعلم القرآن)

ترجمہ: اے ابوذر! صبح کو کتاب اللہ کی ایک آیت سیکھنے کے لیے تمہارا نکلنا سو رکعت نفل نماز ادا کرنے سے بہتر ہے اور علم کے ایک باب کو سیکھنے کے لیے نکلنا ہزار رکعت نفل نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

علم نافع اور علم غیر نافع

جو علم انسان کو خالق و مالک سے دور کردے اور اس کو دنیا کی جاہ وحشم میں مشغول کردے تو وہ علم نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

● نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللهِ أَوْ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (ابن ماجہ، انتفاع بالعلم)

ترجمہ: جس نے غیر اللہ کے لیے علم حاصل کیا، یا اس سے غیر اللہ کا ارادہ کیا اُسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

جو شخص علم اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے محض دنیا کمائے اور اللہ کی رضا کا خیال نہیں کرتا تو وہ شخص انعام الٰہی کی بو بھی نہ پائے گا۔

● نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لاَ يَتَعَلَّمُهُ إِلاَّ لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا۔ (سنن ابوداؤد، طلب العلم)

ترجمہ: وہ علم جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو، اس کو کسی نے اس لیے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے دنیا حاصل کرے تو وہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

● ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْلِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔ (ابن ماجہ، انتفاع بالعلم)

ترجمہ: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے وہ بیوقوفوں سے جھگڑے گا، یا اس کے ذریعے علما پر فخر کرے گا، یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا تو وہ جہنمی ہے۔

● غیر نافع علم سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلَا لِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلَا تَخَيَّرُوْا بِهِ الْمَجَالِسَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَالنَّارُ النَّارُ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ اس سے عالموں پر برتری جتاؤ اور بیوقوفوں سے جھگڑو اور نہ اس لیے حاصل کرو کہ اس سے فخر ومباہات کی مجلسیں گرم کرو، جس نے ایسا کیا اس کے لیے جہنم ہی جہنم ہے۔

چنانچہ ہم غور کریں کہ یہ بری خصلتیں کہیں ہمارے اندر تو نہیں، اگر ہیں تو اِن کو فوراً دور کریں، ورنہ ہم بھی جہنم کے مستحق ہوجائیں گے اور اگر ہم نے ایسا علم حاصل کیا جو نفع بخش نہ ہو تو ہمیں سخت نقصان اٹھانا ہوگا اور قیامت میں بھی ذلت ورسوائی ہوگی۔

● نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُهُ۔ (شعب الایمان، فصل ینبغی لطالب العلم)

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم نے اس کو نفع نہ دیا ہو۔

اس لیے ہمیں ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا چاہیے جو ہمارے لیے عذاب کا باعث ہو۔

● خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر نفع بخش علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا یُسْتَجَابُ لَھَا ۔

(مسلم، کتاب الذکر والدعا)

ترجمہ: یا اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو، ایسے دل سے جو ڈرنے والا نہ ہو، ایسے نفس سے جو مطمئن نہ ہو اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

امام محمد غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ علم نافع دو طرح کے ہوتے ہیں:

● اَلْمُعَرِّفُ لِلصَّانِعِ وَالدَّالُ عَلٰی طَرِیْقِ الْاٰخِرَةِ۔

یعنی جس سے کائنات کے خالق کی معرفت حاصل ہو اور آخرت کی طرف رہنمائی ملتی ہو۔

● مَا یَزِیْدُ فِی الْخَوْفِ مِنَ اللهِ وَیَنْقُصُ مِنَ الرَّغْبَةِ فِی الدُّنْیَا۔

یعنی جس سے اللہ کے خوف وخشیت میں اضافہ ہوتا ہو اور دنیا کی رغبت کم ہوتی ہو۔

اسی سے علم غیر نافع کی تعریف بھی سمجھ میں آ گئی کہ علم غیر نافع وہ علم ہے جس سے نہ تو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہو اور نہ اس سے آخرت کی طرف رہنمائی ملتی ہو، بلکہ خوف الٰہی کے بجائے اس سے دل میں دنیا کی رغبت پیدا ہوتی ہو۔ یہی وہ علم ہے جس کے تعلق سے حدیث میں آیا ہے کہ:

اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَیْكَ۔ (مسلم، فضل الوضو)

ترجمہ: قرآن مقدس قیامت کے دن تمہارے حق میں بھی حجت ہوگا اور تمہارے خلاف بھی۔

یعنی اگر ہم قرآن کے احکامات کا علم حاصل کر کے اس پر عمل کریں گے تو وہ قیامت میں ہمارے لیے حجت ہوگا اور اگر اس کے احکامات کو بھلا دیں گے تو وہ ہمارے خلاف حجت ہوگا۔

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ علم ہمارے لیے اسی وقت مفید ہے جب اس سے ہمارا مقصود دین کی سربلندی اور رضائے الٰہی کا حصول ہو اور اگر اس سے ہمارا مقصود دنیا ہو، جیسے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنا، شہرت کمانا، یا محض کسی عہدے پر فائز ہونا تو پھر ہمارے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور اس طرح ہم اللہ کی رضا اور اس کے قرب سے محروم ہو جائیں گے، حالانکہ ہماری زندگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہمیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو، اس کے باوجود اگر ہم علم کا حصول، دنیا طلبی کے لیے کرتے ہیں تو ہمیں اپنے عمل سے توبہ کرنا چاہیے اور علم کے حصول کو معرفت الٰہی کا ذریعہ بنانا چاہیے، تاکہ ہم آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔

✲✲✲

صوفیا کے اخلاق

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے بلند پایہ عالم اور عظیم صوفی تھے۔آپ کی پیدائش ۵۳۶ ہجری کو ''سہرورد'' میں ہوئی اور وفات یکم محرم ۶۳۲ ہجری کو بغداد میں۔آپ کی مایہ ناز تصانیف میں ''عوارف المعارف'' بھی ہے جو تصوف کے فن پر ایک جامع اور مستند تالیف ہے۔عوام وخواص کی روحانی وعرفانی افادیت کی غرض سے چند منتخب اقتباسات پیش ہیں۔ (ادارہ)

صوفیا کی بہترین اخلاقی خصوصیات میں سے ایک تواضع ہے۔تواضع سے افضل بندگی کا کوئی لباس نہیں، جسے یہ چیز حاصل ہوئی وہ خود بھی آرام سے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی آرام پہنچاتا ہے۔

تواضع وانکساری: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی: تواضع کرو اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تواضع کی بنیاد یہ ہے کہ جس سے ملو اُسے پہلے سلام کرو اور جو تمھیں سلام کرے اس کا جواب دو۔محفل میں کم درجے کی نشست کو پسند کرو اور یہ نہ چاہو کہ کوئی تمہاری تعریف کرے یا تم پر احسان کرے۔

وہ شخص کتنا اچھا ہے جو اپنی کوتاہی یا برائی کے بغیر تواضع اختیار کرے اور محتاجی کے بغیر اپنے آپ کو عاجز سمجھے۔

حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ تواضع کے بارے میں فرماتے ہیں: تواضع؛ عاجزی اور نرم روئی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض قدس اللہ سرہٗ تواضع کے بارے میں فرماتے ہیں: تم حق کے سامنے سرتسلیم خم کرو اور جو حق بات سنو، اسے قبول کرو۔جس نے اپنی قدر و قیمت کو محسوس کیا، پس تواضع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیخ ابوحفص قدس اللہ سرہٗ کا قول ہے: جو یہ چاہتا ہو کہ اس کا دل تواضع کرے وہ نیک بندوں کی صحبت اختیار کرے اور ان کی عزت کرے، اسی طرح ان کی بے حد تواضع کی وجہ سے ان کی اتباع کرے اور تکبر نہ کرے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا قول ہے: ہر چیز کی ایک سواری ہوتی ہے اور عمل کی سواری تواضع ہے۔

شیخ یوسف بن اسباط قدس اللہ سرہٗ سے دریافت کیا گیا کہ: تواضع کی حد کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب اپنے گھر سے نکلو اور کسی سے ملاقات کرو تو اسے اپنے سے بہتر سمجھو۔

حضرت یحیٰ بن معاذ علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں:

تواضع ہر ایک کے لیے اچھی ہے مگر دولت مند کے لیے زیادہ اچھی ہے اور تکبر ہر ایک کے لیے برا ہے مگر درویش کے لیے تکبر کرنا بدترین ہے۔

کسی دانش مند سے پوچھا گیا: کیا تم کسی ایسی نعمت سے واقف ہو جس پر حسد نہ کیا جائے اور کوئی ایسا مصیبت زدہ ہو جس پر رحم نہ کیا جائے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ نعمت تواضع ہے اور وہ مصیبت زدہ تکبر کرنے والا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ بندہ تواضع کی حقیقت اسی

وقت معلوم کرسکتا ہے جب مشاہدۂ حق کے نور کا جلوہ اس کے دل میں نظر آئے، اس موقع پر اس کا نفس پگھل کر کبر و خود پسندی کی کھوٹ سے صاف ہوجاتا ہے اور نرم ہوکر حق اور مخلوق کی اطاعت کرتا ہے، کیوں کہ اس وقت تک اس کے آثار محو ہوجاتے ہیں، نیز اس کی سوزش اور غبار ختم ہوجاتے ہیں۔

صبر و تحمل : صوفیا کی دوسری اہم اخلاقی صفت صبر و تحمل ہے، وہ مخلوق کی جانب سے دی جانے والی تکلیف کو بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی، تحمل اور لحاظ داری کا یہ عالم تھا کہ: آپ کبھی کسی کھانے کی برائی نہیں کرتے تھے اور نہ کسی خادم کو کبھی جھڑکتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دس سال تک کی، اس عرصے میں آپ نے مجھے ''اُف'' تک نہیں کہا اور اگر میں نے کوئی کام کیا تو کبھی یہ نہیں پوچھا کہ: تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اگر میں نے کوئی کام چھوڑ دیا تو بھی آپ نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ: تو نے یہ کام کیوں چھوڑ دیا؟ آپ سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے، میں نے آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کسی اور چیز کو نہیں پایا۔

معلوم ہوا کہ اہل و عیال، پڑوسیوں، رشتے داروں اور عام آدمیوں سے نرمی اور شرافت سے پیش آنا اہل اللہ کی اخلاقی خصوصیت ہے۔

کہتے ہیں کہ: ہر شئے کا ایک جوہر ہے، انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ رہتا ہو اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہو، ان لوگوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھتے ہوں۔

تحمل، صبر اور حسن سلوک سے انسان کی انتہائی عقلمندی، وسعت علم اور بردباری کا ثبوت ملتا ہے، کیوں کہ نفس کی یہ عادت ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتا ہے جو اس کی مرضی کے خلاف کام کرے، اس لیے حسن سلوک اور نرمی سے نفس کی تیزی اور نفرت کو ختم کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے نرم روئی عطا کی گئی ہو سمجھو اُسے بھلائی مل گئی اور جسے نرم مزاجی کا کوئی حصہ نہ ملا سمجھو وہ بھلائی سے محروم ہوگیا۔

ایثار و قربانی: صوفیا کا ایک اخلاقی وصف ایثار و قربانی اور ہمدردی بھی ہے، جس کی جانب قدرتی رحم و شفقت اور قوت ایمانی انھیں مائل کرتی ہے۔ وہ موجودہ چیزوں کو قربان کر دیتے ہیں اور گمشدہ چیزوں پر صبر کرتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

بلخ کے ایک نوجوان کے علاوہ اور کوئی مجھے شکست نہ دے سکا۔ وہ ہمارے پاس سفر حج کے دوران پہنچا تھا، اس نے پوچھا: زہد کیا ہے؟ میں نے کہا: ہمیں جو کچھ ملتا ہے کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں۔ اس نے کہا: ہمارے یہاں بلخ کے کتے بھی ایسا کرتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا: تمہارے نزدیک زہد کیا ہے؟ اس نے کہا: جب ہمیں نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں اور جب ہمیں ملتا ہے تو ایثار کرتے ہیں۔

چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے: وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۝۹ (سورۂ حشر)

ترجمہ: وہ ایثار کرتے ہیں چاہے انھیں تنگی ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔

عفو و درگزر: صوفیا کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ

ہمیشہ عفوودرگزر سے کام لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ بھی بھلائی سے دیتے ہیں۔حضرت سفیان علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:

احسان یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ برائی کرے اس کا بدلہ بھلائی سے دو، کیوں کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینا، تجارتی مقابلہ اور بازاری لین دین ہے کہ ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے ہاتھ سے دو۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ احسان کو محدود نہ رکھا جائے، بلکہ سورج، ہوا اور بارش کی طرح سب کو فائدہ پہنچایا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں نے جنت میں اونچے محل دیکھے تو پوچھا: اے جبرئیل! یہ کس کے لیے ہے؟ انھوں نے کہا: یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو غصہ برداشت کرتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔

شریفانہ اخلاق کی نشانی یہ ہے کہ تم اسے معاف کرو جو تم پر ظلم کرے، جو تم سے رشتہ توڑے اس کے ساتھ میل جول رکھو اور جو تمھیں محروم کرے اس کو عطا کرو۔

شگفتہ روئی اور خندہ پیشانی: صوفیا کے بلند اخلاق کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ شگفتہ روئی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ یہ خلوت میں روتے ہیں مگر لوگوں کے سامنے شگفتہ رو اور خوش وخرم نظر آتے ہیں، کیوں کہ ان پر ایسے انعامات کی بارش ہوتی ہے کہ جن سے ان کا قلب سیراب ہوکر خوشی سے بھر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴿۳۹﴾ (قیامہ)

ترجمہ: قیامت میں روشن چہرے ہنس مکھ اور خوش ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ہر نیکی صدقہ ہے اور یہ بھی نیکی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو اور یہ بھی نیکی ہے کہ تم ڈول میں سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈالو۔

سادگی اور بے تکلفی: صوفیا کے بہترین اخلاق میں نرمی، سادگی، ملنساری اور بے تکلفی بھی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تکلف، تصنع اور بناوٹ لوگوں کی خاطر نفس پر بے جا دباؤ کا نتیجہ ہے جو اہل اللہ کے اخلاق کے بالکل منافی ہے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں بھی سادگی اور بے تکلفی کی کافی اہمیت رہی ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمے میں شریک ہوا جس میں نہ روٹی تھی نہ گوشت تھا۔

حضرت سفیان بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے روٹی اور نمک پیش کیا اور فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس بات سے منع نہیں فرماتے کہ کوئی کسی کے ساتھ تکلف کرے تو میں تمہارے لیے ضرور تکلف کرتا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے بھائی ان سے ملاقات کے لیے آئے تو انھوں نے ان کے سامنے جو کی روٹی کا ٹکڑا پیش کیا اور وہ ساگ، جس کی انھوں نے کاشت کر رکھی تھی توڑ کر لائے، اس کے بعد انھوں نے فرمایا:

اگر اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کرتا تو میں تمہارے لیے ضرور تکلف کرتا۔

سخاوت: صوفیا کی ایک اخلاقی انفرادیت سخاوت بھی ہے کہ جو کچھ پاس ہو اُسے خرچ کیا جائے اور کوئی پونجی جمع نہ کی جائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے خزانوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی سمندر کے

کنارے پر ہے، اس لیے اپنے مشکیزے میں پانی جمع نہیں کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ دو فرشتے نہ پکار رہے ہوں، ان میں ایک فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ! سخاوت کرنے والے کو بدلہ عطا فرما۔

دوسرا کہتا ہے: یا اللہ! بخیل کو ہلاک فرما۔

قناعت: قناعت بھی صوفیا کی اخلاقی خصوصیت میں سے ہے۔ ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جو قناعت اختیار کرتا ہے وہ اپنے زمانے والوں سے آرام حاصل کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں پر غالب رہتا ہے۔

شیخ یحی بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو رزق میں قناعت اختیار کرتا ہے وہ آخرت حاصل کرتا ہے اور اس کی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا۔

حلم و بردباری: صوفیا کی ایک اخلاقی نشانی حلم و بردباری بھی ہے کہ نہ وہ کسی سے لڑتے ہیں اور نہ بے جا غصہ کرتے ہیں، بلکہ نرمی اور بردباری اختیار کرتے ہیں اور جب اپنے ساتھی کے نفس کو غالب دیکھتے ہیں تو صوفیا اس کا مقابلہ قلب کے ذریعے کرتے ہیں۔ اس طرح نفس کی وحشت دور ہو جاتی ہے اور اس کا فتنہ ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ (سورۂ فصلت)

ترجمہ: تم اچھے طریقے سے دفاع کرو تا کہ جس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہو وہ شخص اس طرح ہو جائے جیسے کہ وہ تمہارا گہرا دوست ہے۔

صوفیا کے دل اور ان کی روحانیت کی سلامتی کینہ اور حسد کے جھاگوں کو اس طرح نکال کر باہر پھینک دیتی ہے جس طرح سمندر جھاگ کو نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں ہیبت و محبت کی موجوں کا جوش ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی روش، بردباری ہے اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصوں کا ایک حصہ ہے۔

برادرانہ اتحاد: صوفیا کی اخلاقی خصوصیت میں باہمی اتحاد، آپسی الفت و محبت اور برادرانہ برتاؤ بھی شامل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مومن دوسرے سے محبت کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں مگر اس شخص کے اندر کوئی خوبی نہیں جو نہ خود سے محبت کرے اور نہ لوگ اسے پسند کریں۔

اگر لوگ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں تو انھیں انصاف و عدالت کی ضرورت باقی نہ رہے، کیوں کہ اس کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں محبت نہ ہو۔ صوفیا کی محبت کا ایک دوسرے پر بڑا اثر ہے، کیوں کہ وہ محض اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی باتوں کو مانتے ہیں، چنانچہ محبت ہی کے سبب مرید کو شیخ سے اور ایک روحانی بھائی کو دوسرے سے فیض پہنچتا ہے۔

اسی طرح کے اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ ہر محلے کے لوگ پانچوں وقت مساجد میں جمع ہوں اور ہر شہر کے لوگ ایک مرتبہ جامع مسجد میں اکٹھے ہوں، گردونواح کے باشندے سال میں دو مرتبہ عیدین کے موقع پر جمع ہوں اور تمام ممالک اور مختلف علاقوں کے لوگ زندگی

میں ایک بار حج کے لیے ایک مقام پر جمع ہوں، ان سب میں یہی مصلحت ہے کہ مسلمانوں میں محبت والفت کے تعلقات قائم ہوں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جس سے ایک دوسرے کو تقویت پہنچتی ہے۔

شکرگزاری: صوفیا کی اخلاقی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ وہ محسن کے احسانات کا شکر ادا کرتے ہیں، اس کے لیے دعا گو رہتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں وہ انسانوں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کا ذکر فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

ابوبکر بن قحافہ سے زیادہ کسی نے ہمیں اپنی محبت اور احسانات سے ممنون نہیں کیا۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

ابوبکر کے مال سے زیادہ اور کسی کے مال نے مجھے نفع نہیں پہنچایا۔

حاجت روائی: صوفیا کے اخلاق کی ایک نمایاں صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور مسلمانوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنا تمام اثر ورسوخ بھی استعمال کیا کرتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ایک پیغمبر کسی بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے اور وہ یہ کام محض لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے انجام دیتے تھے۔

حضرت عطا علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:

اگر کوئی شخص سالہا سال ریاکاری کر کے اثر ورسوخ اور جاہ ومرتبہ حاصل کرے، تاکہ اس کے ذریعے کسی مومن کا گزارا ہو سکے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ صرف اپنی نجات کے لیے مخلصانہ عمل کرے۔ **(باب:۳۰)**

✲✲✲

اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ (صحیح مسلم، تحریم ظلم المسلم)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصورت اور مال ودولت کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے۔ (یعنی تمہارے اعمال میں کس قدر اخلاص ہے اور تمہارے دل میں کس قدر خشیت الٰہی ہے)

●●●

شیخ ابوسعید کے سخت ترین مجاہدات

سلطان طریقت، برہان حقیقت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ العزیز یکتائے روزگار شخصیت، عارف ربانی اور عظیم صوفی تھے۔ ان کی پیدائش ’خراسان‘ کے ’میہنہ‘ گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی ’’**اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید**‘ موسوم بہ ’**مقامات خواجہ**‘ ان کے مخصوص احوال واقوال پر مشتمل ہے جسے آپ کے پرپوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ **مولانا امام الدین سعیدی** (استاذ جامعہ عارفیہ) نے اس کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے۔ اب ۱۵ ویں قسط سے عام افادیت کے لیے انھیں کا ترجمہ بالترتیب پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

مسلسل مسجدوں میں جاروب کشی کرتے، کمزوروں کی مدد کرتے، راتوں کو اکثر وبیشتر اس درخت کی شاخ سے لٹک جاتے جو روضۂ مقدس کے دروازے پر تھا اور ذکر میں مشغول ہوجاتے۔ کوئی بھی موسم ہو ہمیشہ غسل کا اہتمام فرماتے، یہاں تک کہ سخت سردی میں بھی ٹھنڈے پانی سے غسل فرماتے اور خود کو فقرا کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رکھتے۔

ایک روز درمیان گفتگو آپ نے فرمایا: ایک بار میرے دل میں خیال گزرا کہ مجھے علم وعمل اور مراقبہ ومجاہدہ جیسی چیزیں حاصل ہوچکی ہیں، اب میں ان سب سے بے نیاز ہونا چاہتا ہوں اور اپنے نفس سے بیزار رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جب اس سلسلے میں غور کیا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کے حصول کا واحد ذریعہ فقرا کی خدمت ہے، اس لیے کہ:

إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا دَلَّهٗ عَلٰى ذُلِّ نَفْسِهٖ۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے نفس کو ذلیل کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔

اسی بنا پر میں نے فقرا کی خدمت کو اپنا معمول بنالیا، ان کی قیام گاہوں کو صاف کرتا، وضوخانہ، استنجا خانہ وغیرہ کو چمکائے رکھتا، ایک ٹوکرا لے کر ان کی ضرورت کی چیزوں کا انتظام کرتا، جیسے لکڑیاں وغیرہ اکٹھا کرنا۔ اس کام میں ایک عرصہ تک ہمیشگی برتنے کی وجہ سے یہ ایک عادت سی ہوگئی، چنانچہ اب میں نے اس سے بھی زیادہ ذلت آمیز عمل کا آغاز کردیا، وہ یہ کہ فقرا کے لیے گداگری کو اپنا معمول بنالیا۔ کیوں کہ عاجزی کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور مناسب نسخہ کوئی نہیں۔

گداگری کے ابتدائی دنوں میں لوگ مجھے ایک دینار دیتے پھر کچھ مدت کے بعد ایک دانگ دینے لگے۔ رفتہ رفتہ وہ مقدار بھی کم ہوگئی اور اب منقیٰ کا ایک دانہ یا اخروٹ کے ایک دانے پر نوبت آگئی اور کچھ عرصہ بعد وہ بھی بند ہوگیا۔

اسی درمیان فقرا کی ایک جماعت آئی مگر میں ان کے لیے کچھ مانگ بھی نہیں سکتا تھا چونکہ کوئی مجھے دیتا ہی نہیں تھا، چنانچہ میں نے اپنی دستار اتاری اور اسے ہی بیچ دیا، مزید اپنا جوتا، جبہ

اور اس کا استر بھی بیچ ڈالا۔ میرے والد نے جب مجھے برہنہ سر اور برہنہ جسم دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور شکستہ ہو کر بولے:

بیٹے! آخر تیری ایسی حالت کا کیا نام دوں؟

میں نے جواب دیا: اس حال کو 'میہنی شہ سوار' کہتے ہیں۔

اسی طرح شیخ قدس اللہ سرہٗ ہمیشہ مسجدوں میں جاتے رہے اور اپنا مال و متاع اللہ کی مخلوق اور درویشان حق پر خرچ کرتے رہے، اگر چہ ان کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ جب ان کو کوئی مشکل درپیش ہوتی تو اپنے پیر شیخ ابوالفضل حسن قدس اللہ سرہٗ کے پاس ننگے پاؤں 'سرخس' پہنچ جاتے، پھر جب وہ مسئلہ حل ہو جاتا تو واپس آ جاتے۔

آپ کے مرید خاص شیخ عبدالصمد قدس اللہ سرہٗ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ: شیخ قدس اللہ سرہٗ اکثر و بیشتر جب 'سرخس' جاتے تو ہوا میں پرواز کرتے ہوئے جاتے، جسے صرف اہل مکاشفہ ہی دیکھ پاتے۔

پیر ابوالفضل حسن قدس اللہ سرہٗ کے مریدوں میں احمد نامی ایک مرید تھا جنھوں نے آپ کو ایک روز اس حالت میں آتے ہوئے دیکھ لیا اور انھوں نے فوراً اس کی اطلاع پیر ابوالفضل کو دی۔ پیر ابوالفضل نے ان سے فرمایا کہ: کیا تو نے واقعی دیکھا ہے؟

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! اس پر پیر ابوالفضل نے فرمایا کہ: تو اس دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوگا جب تک کہ تو اندھا نہ ہو جائے۔

شیخ عبدالصمد قدس اللہ سرہٗ بیان کرتے ہیں کہ: احمد آخری عمر میں حسب اشارہ نابینا ہو گئے تھے۔

شیخ حسب عادت اپنے مجاہدات و معمولات کے درمیان ہی پیر ابوالفضل حسن کی بارگاہ میں 'سرخس' آ گئے اور ایک سال تک وہاں قیام کیا۔ پیر ابوالفضل حسن نے مختلف ریاضت و مجاہدہ کروائے، ایک ضعیف روایت کے مطابق خرقہ سے مشرف بھی فرمایا۔ جب کہ صحیح روایت یہ ہے کہ شیخ ابوسعید، پیر ابوالفضل حسن کی حیات میں ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے مگر خرقہ حاصل نہیں کیا، بلکہ جب پیر ابوالفضل حسن قدس اللہ سرہٗ کی وفات ہو گئی تو آپ شیخ ابوعبدالرحمن سلمی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں آ گئے اور ان سے خرقہ حاصل کیا۔ شیخ کے سلسلے کا شجرہ اس طرح ہے:

☆ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ
☆ شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی قدس اللہ سرہٗ
☆ شیخ ابوالقاسم نصر آبادی قدس اللہ سرہٗ
☆ شیخ ابوبکر شبلی قدس اللہ سرہٗ
☆ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ
☆ شیخ سری سقطی قدس اللہ سرہٗ
☆ شیخ معروف کرخی قدس اللہ سرہٗ
☆ امام جعفر صادق قدس اللہ سرہٗ
☆ امام باقر قدس اللہ سرہٗ
☆ امام علی زین العابدین قدس اللہ سرہٗ
☆ امام حسین رضی اللہ عنہ
☆ امیر المومنین علی بن طالب رضی اللہ عنہ
☆ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ وسلامہ۔

ایک ضعیف روایت کے مطابق جب شیخ نے خرقہ حاصل

کیا تو پیر ابوالفضل حسن نے ان سے یہ فرمایا:
تیرا معاملہ مکمل ہو چکا ہے، اب 'میہنہ' چلے جاؤ اور وہاں خلق خدا کی دعوت و تذکیر میں لگ جاؤ۔ شیخ ابوسعید، پیر ابوالفضل کے حکم کے مطابق 'میہنہ' آ گئے اور پیر ابو الفضل کے فرمان دعوت و تذکیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اس کے برخلاف مجاہدات و مشاغل میں مسلسل اضافہ کرتے رہے، جس کے سبب مخلوق میں ان کی قبولیت ظاہر ہونے لگی۔
چنانچہ خود شیخ کی زبان سے ایک مجلس میں سنا گیا کہ:
ایک دن لوگوں نے اُن سے قرآن مقدس کی آیت:
ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ کے تعلق سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا:
یہ آیت صوفیا کے احوال شریفہ کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری مقام ہے جو اُن پر عبادت و ریاضت، سفر و حضر، مصیبت و تکلیف اور ذلت و رسوائی سے گزرنے کے بعد آتا ہے۔
اول انھیں توبہ کی توفیق ملتی ہے تا کہ وہ تائب ہو اور اپنے دشمن کو راضی کرے، نفس کی تذلیل و تحقیر میں مشغول ہو، ہر طرح کی تکلیفوں کو برداشت کرے اور جس قدر ہو سکے اللہ کی مخلوق کو راحت پہنچائے۔
پھر وہ مختلف طاعتوں میں مشغول ہو جاتا ہے، وہ قائم اللیل اور صائم النہار بن جاتا ہے۔ شریعت کے جملہ واجبات و فرائض کو ادا کرتا ہے۔ دن بہ دن اپنی طاعت و عبادت میں حسن پیدا کرتا ہے اور کچھ چیزیں اپنے اوپر لازم بھی کر لیتا ہے، جیسا کہ میں نے بھی ابتدا میں اپنے اوپر اٹھارہ چیزیں لازم کر لی تھی جن کے ذریعے میں نے اٹھارہ ہزار عالم کے اسرار پا لیے، وہ اٹھارہ وظائف یہ تھے:

۱۔ متواتر روزہ رکھنا۔
۲۔ حرام لقمہ سے پرہیز کرنا۔
۳۔ ہمیشہ ذکر میں مصروف رہنا۔
۴۔ شب بیداری۔
۵۔ پہلو زمین سے الگ رکھنا۔
۶۔ صرف بیٹھ کر سونا۔
۷۔ ہمیشہ قبلہ رو رہنا۔
۸۔ کسی چیز سے ٹیک نہیں لگانا۔
۹۔ امرد کی طرف نظر بد سے اجتناب اور محرمات کی طرف سے نگاہ کو بچانا۔
۱۰۔ خلق سے امید منقطع کرنا۔
۱۱۔ دست سوال سے گریز کرنا۔
۱۲۔ قناعت اختیار کرنا۔
۱۳۔ خود کو مشاہدہ میں مستغرق رکھنا۔
۱۴۔ ہمیشہ مسجد میں معتکف رہنا۔
۱۵۔ بازار جیسی جگہوں میں نہیں جانا۔
جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے بری جگہ بازار ہے اور سب سے اچھی جگہ مسجد ہے۔
۱۶۔ ہر کام کو سنت رسول کی اقتدا میں کرنا۔
۱۷۔ رات دن میں ایک قرآن ختم کرنے کا معمول رکھنا۔
۱۸۔ دیکھنے سے نابینا، سننے سے بہرا اور بولنے سے گونگا ہو جانا۔
یہاں تک کہ ایک سال مکمل میں نے کسی سے کوئی بات

نہیں کی ،لوگ مجھے دیوانہ کہنے لگے اور میں اس حدیث کا مصداق ہوگیا:

لَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ الْعَبْدِ حَتّٰى يَظُنَّ النَّاسُ أَنَّهٗ مَجْنُوْنٌ.

ترجمہ: بندے کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ لوگ اسے مجنوں نہ سمجھنے لگے۔

اسی طرح ہر وہ فعل جس کے تعلق سے میں نے سنا کہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا ہے یا اس کا حکم فرمایا ہے میں سب بجالایا یہاں تک میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے موقع پر پاؤں زخمی ہونے کے سبب اپنے انگلیوں کے بل کھڑے ہوکر نماز ادا فرمائی تھی تو میں نے بھی اس کی اتباع میں اپنے انگلیوں کے بل کھڑے ہوکر چارسو رکعت نفل نماز ادا کی۔اپنے ظاہری و باطنی اعمال کو مکمل طور سے سنت نبوی کے پیکر میں ڈھال لیا۔ میں نے کتابوں میں فرشتوں کی بندگی کے بارے میں جو کیفیتیں پڑھیں ان کو اپنالیا۔

یہاں تک کہ میں نے سن رکھا تھا کہ اللہ کے کچھ مخصوص فرشتے سرنگوں ہوکر عبادت کرتے ہیں، میں نے بھی ان کی موافقت میں اپنا سر زمین پر رکھ دیا اور ابوطاہر کی والدہ سے کہا کہ:

میرا پاؤں رسی سے باندھ کر کھمبے سے لٹکا دے اور دروازہ بند کردے،اس نے تعمیل کی۔

اس کے بعد میں نے بارگاہ مولیٰ میں عرض کیا: یا الٰہی! میں خود کو باقی رکھنا نہیں چاہتا، مجھے خود سے آزاد کر، پھر ختم قرآن کے لیے تلاوت شروع کیا اور جب اس آیت:

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ (بقرہ)

پر پہنچا تو میری آنکھوں سے خون جاری ہوگیا، مجھ پر بیہوشی چھاگئی اور پھر ایک انقلابی حالت طاری ہوئی۔اس طرح کے سخت ترین مجاہدے جنھیں میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ یہ سب اللہ رب العزت کی توفیق اور تائید سے انجام پائے ،مگر میرے دل میں یہ خیال تھا کہ یہ سب میں نے کیا ہے، چنانچہ اس کا فضل ظاہر ہوا اور یہ بات مجھ پر واضح ہوگئی کہ:

معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ سب فضل الٰہی اور عطائے مولیٰ ہے۔

میں نے فوراً توبہ کی، کیوں کہ مجھے احساس ہوگیا کہ یہ میرا غرور تھا۔

✲✲✲

تصوف پر علمی، تحقیقی، ودعوتی شش ماہی مجلہ

مجلہ **الاحسان** الہ آباد (اردو)

کا پانچواں شمارہ زیر ترتیب ہے

یہ شمارہ **عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی** قدس سرہٗ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہوگا۔

اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی وقیع نگارشات ۱۰؍ اگست ۲۰۱۳ تک دفتر الاحسان کو ارسال فرماکر مشکور ہوں۔

alehsaan.yearly@gmail.com

Mobile: + 91-9026981216

غلام مصطفیٰ ازہری

حدیث موضوع: تعریف و تفہیم

حدیث موضوع کی تعریف

وہ جھوٹ اور من گڑھت بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی گئی ہو یعنی بیان کرنے والا اپنی طرف سے کوئی بات گڑھے اور یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا ہے۔

حدیث موضوع کے اقسام

حدیث موضوع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ متن کے لحاظ سے موضوع

۲۔ سند کے لحاظ سے موضوع

متن کے لحاظ سے حدیث موضوع

متن کے لحاظ سے موضوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو بیان کرنے والا اپنی جانب سے کوئی بات گڑھ لے پھر اس کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دے یا کسی امام فن یا شیخ دین کی کسی بات کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دے، اس کو متن کے اعتبار سے حدیث موضوع کہتے ہیں۔

اپنی جانب سے حدیث گڑھنے کی مثال

علامہ شمس الدین ذہبی نے امام شافعی کے خلاف گڑھی ہوئی یہ روایت نقل کی ہے:

يَكُوْنُ فِي أُمَّتِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيْسَ أَضَرُّ عَلٰى أُمَّتِي مِنْ إِبْلِيْسَ وَآخَرُ يُقَالُ لَهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِي۔ (احادیث مختارۃ، ص:۱۱۲)

ترجمہ: میری امت میں ایک شخص محمد ابن ادریس نام کا ہوگا جو میری امت کے لیے شیطان سے زیادہ نقصان دہ ہوگا اور ایک دوسرا شخص ابوحنیفہ نام کا ہوگا جو میری امت کا چراغ ہوگا۔

علامہ ذہبی نے اس کی سند یہ لکھی ہے۔

مَأْمُوْنُ بْنُ أَحْمَدَ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْجُوْبِيَارِي أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعًا۔ (ایضاً، ص:۱۱۲)

پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ مامون اور اس کا شیخ دونوں دجّال ہیں۔

اسی باب میں اس قول کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے جسے وہ لوگ جنھیں اللہ کے صالح اور عابد و زاہد بندوں اور اصحاب صفہ کے طریق پر قائم حب دنیا سے بیزار اور اشد حباً للہ کے پیکر صالحین سے ایک قسم کی چڑھ ہے، اسے ان کے خلاف بطور حدیث ہر جگہ پیش کرتے ہیں اور تل کا تاڑ بناتے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ قول یہ ہے:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔

اسے عام طور پر لوگ حدیث رسول کے طور پر پیش کرتے ہیں جب کہ حدیث کی کتابوں میں اس کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے اور جس معنی میں وہ اسے

پیش کرتے ہیں وہ معنی سرے سے بے اصل اور باطل ہے اور جن احادیث کو اس بے سند حدیث کی تائید میں پیش کرتے ہیں ان سے ان کی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ اس پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ کبھی آئندہ ہوگی۔ سر دست اس بے سند قول کے تعلق سے ایک فتویٰ ملاحظہ کیجیے:

سوال ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کے انداز میں جواب دیا گیا: یہ حدیث صحیح ہے۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ، وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔

(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ، ج:۴،ص:۴۲۰)

یہ ان لوگوں کا فتوی ہے جو باسند اور ضعیف حدیثوں کو بھی موضوع قرار دینے میں جیسے نیکی اور ثواب کے امیدوار نظر آتے ہیں، مگر یہاں جلوہ کچھ اور ہی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔

کسی کے قول کو بطور حدیث بیان کرنے کی مثال

امام سخاوی نے **المقاصد الحسنة** (ص:۶۱۱) میں اور دیگر علما نے اپنی کتابوں میں یہ حدیث نقل کی ہے:

اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ۔

امام سخاوی فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کا انتساب صحیح نہیں ہے، یہ طبیب العرب حارث بن کلدہ اور دوسرے اطبا کا قول ہے۔

سند کے لحاظ سے حدیث موضوع

سند کے لحاظ سے موضوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند جھوٹی اور گڑھی ہوئی ہو۔ ایسی حدیث ممکن ہے کہ متن کے اعتبار سے بھی من گڑھت اور بالکل جھوٹی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل موجود ہو لیکن خاص یہ سند موضوع ہو۔ ایسی حدیث کو بھی محدثین موضوع کہہ دیتے ہیں جو ان کی اپنی اصطلاح ہے، ورنہ ایسی حدیث حقیقت میں موضوع نہیں ہوتی، اس کی وہ خاص سند موضوع ہوتی ہے۔ وہ حدیث موضوع ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ وہ دوسری صحیح یا ضعیف سند سے بھی مروی ہے۔

سند کے لحاظ سے وہ موضوع احادیث جن کا متن بھی موضوع ہو، ان کی مثال میں اوپر مذکور متن کے لحاظ سے موضوع احادیث کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے جب بات رسول کی نہیں ہے تو اس کو بیان کرنے کے لیے کسی جھوٹی اور گڑھی ہوئی سند کا سہارا لینا ہی پڑے گا۔

رہی سند کے لحاظ سے وہ موضوع احادیث جن کی کوئی اصل موجود ہو، ایسی حدیثیں ممکن ہے کہ دوسری سند سے حدیث صحیح، حسن یا ضعیف ہوں۔ لہٰذا اس قسم کی حدیثوں کو کسی خاص موضوع سند کے لحاظ سے تو حدیث موضوع کہہ دیا جاتا ہے جب کہ حقیقت میں ایسی حدیثیں موضوع نہیں ہوتیں، صحیح، حسن یا ضعیف ہوتی ہیں۔ یہ بات مثالوں سے زیادہ واضح ہوگی۔

حدیث صحیح جو ایک خاص سند سے موضوع ہو، اس کی مثال

ابن جوزی نے **الموضوعات** (ج:۲،ص:۲۷۲) باب

ثبوت الرجل مع المرأۃ الفاجرۃ میں ابوبکر الخلال سے یہ حدیث نقل کی ہے:

أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ اِمْرَأَتِي لَا تَدْفَعُ يَدَ لَامِسٍ، قَالَ: طَلِّقْهَا، قَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا، قَالَ: فَاسْتَمْتِعْ بِهَا۔

ترجمہ: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کی: میری بیوی کسی بھی شخص کی دست درازی کو نہیں روکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے طلاق دے دو۔ وہ کہنے لگا: حضور! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ گزارا کرو۔

علامہ ابن جوزی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

امام احمد ابن حنبل نے کہا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور جس نے اسے موضوع کہا اس نے غلط کہا۔

(اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعہ، ج:۲،ص:۱۴۵، دارالکتب، بیروت، ۱۹۹۶)

امام سیوطی اس حدیث کی ایک دوسری سند نقل کرنے کے بعد اگلے صفحے پر لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر اس سند کو حدیث ابن عباس والی سند سے جوڑ دیا جائے تو محدث کو اس حدیث کی صحت کا حکم لگانے میں کوئی توقف نہ ہوگا اور وہ اس خطا کا شکار نہ ہوگا جس کا شکار ابوالفرج ابن جوزی ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اس حدیث کو موضوعات میں نقل کر دیا اور اس کی صرف خلال والی سند نقل کی جو ابوزبیر عن جابر سے مروی ہے اور اس کے بطلان میں امام احمد سے خلال نے جو قول نقل کیا ہے اسی پر تکیہ کرلیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن جوزی کا مطالعہ کس قدر محدود تھا اور کس طرح ان پر تقلید غالب تھی کہ انھوں نے اپنے امام کے قول پر حکم وضع لگا دیا، اگر یہ تمام سندیں امام کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ بھی ضرور اس حدیث کی اصل تسلیم کرتے۔ (ایضاً)

واضح رہے کہ اس حدیث کی وہ سند جو حضرت عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے اور جسے ابوداؤد نے اپنی سند میں نقل کیا ہے، اس پر تعلیق لگاتے ہوئے معروف متشدد ناقد حدیث شیخ ناصر الدین البانی نے اسے امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور اس کی صحت کا حکم لگایا ہے:

قُلْتُ: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ كَثِيرٍ: إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ، وَأَطْلَقَ النَّوَوِي عَلَيْهِ الصِّحَّةَ۔
(صحیح ابی داؤد، ۶، ۲۸۹)

حدیث ضعیف جو ایک خاص سند سے موضوع ہو، اس کی مثال

ابن قدامہ مقدسی نے کہا: مہنا نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے امام احمد ابن حنبل سے کہا کہ ابراہیم بن موسی مروزی نے مالک سے، انھوں نے نافع سے انھوں نے ابن عمر سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ تو امام احمد نے کہا کہ یہ

جھوٹ ہے: ھذا کذب۔ (المنتخب من علل الخلال، ص: ۱۴)

امام ذہبی ابراہیم بن موسی مروزی کے ترجمے میں امام احمد ابن حنبل کے اس قول ھذا کذب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ جھوٹ خاص اس سند سے ہے ورنہ یہ متن دیگر متعدد ضعیف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

(میزان الاعتدال، ج:۱، ص:۶۹)

اس پوری بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر امام احمد ابن حنبل اور علامہ ابن جوزی جیسے لوگ بھی کسی حدیث کو موضوع قرار دیں تو کوئی ضروری نہیں کہ وہ حدیث حقیقت میں بھی موضوع ہی ہو۔ یہاں یہ امکان باقی رہتا ہے کہ وہی حدیث کسی دوسری سند سے حسن یا صحیح ہو۔

یہاں ایک دوسری بات بھی قابل ذکر ہے کہ کسی حدیث کا موضوع ہونا اور قول رسول نہ ہونا ایک الگ چیز ہے اور حقیقت میں اس بات کا غلط اور خلاف واقعہ ہونا ایک الگ بات ہے۔ چنانچہ یہ ممکن ہے کہ کوئی حدیث موضوع ہو اور وہ بات بھی خلاف واقعہ ہو اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی حدیث قول رسول تو نہ ہو، اس کو حدیث رسول کہنا غلط ہو لیکن اس کے باوجود وہ بات اپنے آپ میں حقیقت کے اعتبار سے صحیح ہو۔

اس بات کو یوں سمجھیں کہ: أَضَرُّ أُمَّتِي مِنْ إِبْلِيْسَ ۔ (محمد بن ادریس شافعی میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہے) یہ حدیث موضوع ہے یعنی قول رسول نہیں ہے، اسی طرح یہ بات بھی حقیقت کے لحاظ سے غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

دوسری طرف: هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِي۔ (ابوحنیفہ میری امت کے چراغ ہیں) حدیث کا یہ حصہ بھی موضوع ہے یعنی اسے قول رسول بتانا غلط اور جھوٹ ہے مگر یہ بات اپنے آپ میں صحیح اور درست ہے، کیوں کہ ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان جیسے دوسرے علمائے حق سے یقینی طور پر امت فیض یاب ہو رہی ہے اور روشنی حاصل کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے امام ابوحنیفہ یا کسی دوسرے امام کو سراج امت کہنا صحیح و درست ہے مگر امام ابوحنیفہ کو اس لیے سراج امت کہنا کہ ایسا حدیث رسول میں آیا ہے غلط ہے، جھوٹ ہے اور موضوع ہے۔

٭٭٭

السعی منا والشفاء من اللہ

یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ و کہنہ امراض کا تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:

حکیم سرفراز حسین

امام سنی جامع مسجد، چمڑا بازار، مین روڈ دھاراوی ممبئی-17

موبائل: 09819291874

امام الدین سعیدی

کیا اعمال صالحہ صرف رمضان کے لیے ہیں؟

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾ (حم سجدہ)

ترجمہ: بے شک جنھوں نے کہا کہ: ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: نہ ڈرو، نہ غم کرو اور وہ جنت مبارک ہو جس کا تم سے وعدہ تھا۔

اسلام دین فطرت ہے اس کے احکام و فرائض کی تعمیل انسانی طاقت وقوت سے باہر نہیں، چاہے نماز ہو، روزہ ہو، زکاۃ ہو، حج ہو، ان سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی ہے جس سے انسانی شخصیت کے اندر وہ کمال پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے مضبوط تعلق قائم کر سکے اور خلق خدا کے لیے نفع بخش ثابت ہو۔

اللہ رب العزت کی طاعت و بندگی کا یہ سلسلہ تاحیات چلتا رہتا ہے، اس میں کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں نافرمانی کرنے کا موقع دیا گیا ہو، یہی ایمان کا اصل سرمایہ ہے جسے قرآن کریم نے استقامت کے نام سے واضح فرمایا، اس میں وقتی جذبات کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں ہمیشگی اور ثبات ضروری ہے۔

رمضان کا چاند طلوع ہوتے ہی اہل ایمان کے چہرے پر کیف و نشاط کی لہر دوڑ جاتی ہے، دلوں میں مسرت و خوشی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک روحانی سکون و طمانیت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ بلا شبہ یہ سب اللہ رب العزت کی خاص رحمت و عنایت ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے اس ماہ مقدس میں رکھی ہے۔

یہ مہینہ آتے ہی سب پر ایمانی رنگ چڑھ جاتا ہے، وہ ویران مسجدیں جو پورے سال دو چار نمازیوں کی موجودگی ہی پر صبر کرتی رہتی ہیں، اچانک رمضانی نمازیوں کی تعداد سے بھر جاتی ہیں۔ نیکی و بھلائی اور دوسرے اعمال صالحہ کی طرف لوگ غیر معمولی رغبت و سبقت کرنے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقات و خیرات کرنے کے لیے اپنا ہاتھ کھول دیتے ہیں، غربا و مساکین کے لیے لمبے لمبے دسترخوان سجائے جاتے ہیں اور غربا و مساکین روزے کے دنوں ہی سے عید کا مزہ لیتے رہتے ہیں۔ قرآن مقدس کی تلاوت کا بابرکت ماحول بن جاتا ہے، فرض نمازوں کے علاوہ تراویح میں لوگوں کی دلچسپی اور شوق دیکھنے کے قابل ہوتا ہے، اس طرح سے ایمانی جذبات اور دینی رجحانات کا اثر ہر مسلم علاقے میں بخوبی دکھائی دیتا ہے۔

گویا رمضان میں ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ دیکھنے کو ملتا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی اور باہمی اخوت و ہمدردی کی ایک مثال ہوتی ہے۔

بے عملی کا افسوس ناک منظر

لیکن رمضان ختم ہوتے ہی اکثر لوگوں کی عادتیں بدل جاتی ہیں اور ایمان و عمل کا یہ جذبہ و شوق عید کا چاند نکلتے ہی

رخصت ہو جاتا ہے، لوگ پھر سے اپنی پرانی بری عادتوں کو اپنا لیتے ہیں اور وہی بے دینی و بے عملی، معصیت و نافرمانی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے جو رمضان سے پہلے ان پر غالب ہوتا ہے۔ وہی مسجدیں جو رمضان میں نمازیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں، رمضان کے بعد دو چار نمازیوں کے لیے ترسنے لگتی ہیں۔

گویا ان کی حیثیت نمازیوں کی نہیں ہوتی، بلکہ زائرین کی ہوتی ہے جو چند دنوں تک مسجدوں کی زیارت کر کے پھر دوبارہ مسجدوں کی جانب رخ نہیں کرتے، حاجت مند غربا و مساکین پھر سے بھوک کی شدت جھیلنے لگتے ہیں مگر ان کا پرسان حال کوئی نہیں ہوتا، آپسی محبت و اخوت کا وہ حسین ماحول جو مکمل صلۂ رحمی کا نمونہ تھا پھر سے نفرت و عداوت اور ظلم و غصب والے ماحول میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لوگ خدا پرستی چھوڑ کر خواہش پرستی کی دنیا میں واپس ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے ایک اطاعت شعار بندہ پھر سے اپنے نفس اور خواہشوں کا غلام ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگتا ہے۔

فکری بے راہ روی

یہ کس قدر نا سمجھی کی بات ہے کہ ایک شخص جو اونٹ اور خچر کی سواری کرتا ہو پھر اُسے تیز رفتار موٹر، کار وغیرہ جیسی سواریاں میسر آ جائیں تو کیا وہ پھر سے خچر اور اونٹ کی سواری کی طرف واپس ہونا پسند کرے گا؟ جو شخص بہ مشکل سوکھی روٹی اور نمک پر گزارا کر رہا ہو، پھر اُسے قسم قسم کے مرغن اور لذیذ کھانے میسر آ جائیں تو کیا وہ مرغن کھانے کو چھوڑ کر پھر سے نمک روٹی کھانے کو ترجیح دینے کی حماقت کرے گا؟ اور اگر کسی ننگے انسان کو بدن ڈھانپنے کے لیے اچھے کپڑے مل جائیں تو کیا وہ پھر سے اس اچھے کپڑے کو اتار کر ننگا ہونا پسند کرے گا؟ نہیں، ہر گز نہیں!

کوئی بھی ہوشمند ایسی بے عقلی والا کام نہیں کر سکتا، کیوں کہ اس دنیاوی زندگی میں ہر شخص کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے کہ وہ مشکل اور نقصان والے راستے کو چھوڑ دیتا ہے اور سہولت، آرام دہ اور مفید طریقے اپنانا پسند کرتا ہے مگر یہی طرزِ عمل دینی معاملات میں بالکل الٹا ہو جاتا ہے۔ وہاں ہماری فکر اور احساس جیسے مر جاتا ہے، اس کی ایک بڑی مثال یہی ہے کہ رمضان کا پر بہار مہینہ آتے ہی ہم اپنے رب کی طاعت و بندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں، اس کی خوشی اور رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کی رحمتوں اور برکتوں سے فیضیاب ہوتے ہیں مگر ماہ رمضان رخصت ہوتے ہی اللہ کی طاعت و بندگی کی پرواہ نہیں کرتے، جب کہ اللہ کی طرف سے ایسی سعادت و توفیق پا جانے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ سلسلہ ہمیشہ قائم و دائم رکھا جائے، بلکہ اس میں اور اضافہ کیا جائے مگر رمضان ختم ہوتے ہی ہم پھر اپنی خسیس اور گھٹیا خواہشوں کی پیروی میں لگ جاتے ہیں اور اپنے وجود سے ذکر و عمل کا نورانی لباس اتار کر معصیت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں، قرآن کی تلاوت، مسکینوں کی مدد اور حرام کاموں سے بچنا بس رمضان ہی کے لیے تھا اور اب اس کے بعد ان سب چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کیسی بے راہ روی ہے؟ کیا یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ نماز ہر موسم میں اور ہر روز فرض ہے، یہ صرف رمضان ہی میں فرض نہیں۔ غربا اور مساکین کی مدد کرنا صرف رمضان

ہی میں دینی اور سماجی فریضہ نہیں ہے، بلکہ یہ زندگی کے ہر لمحے میں ہماری ایمانی و اخلاقی ذمے داری ہے۔ گناہوں سے بچنا صرف رمضان ہی کے مہینے میں ضروری نہیں، بلکہ ہر روز اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا ضروری ہے۔

اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ رمضان میں سجدوں کی کثرت ضرور ہوتی ہے مگر اس کی لذت وسرور سے ہم محروم رہتے ہیں، ورنہ اگر ایک بار بھی سجدے کی حلاوت مل گئی تو ناممکن ہے کہ بندہ سجدے کا تارک ہو جائے، بلکہ اس کی حالت تو یہ ہو جائے گی کہ وہ دن بدن اس میں اضافہ کرتا رہے گا۔ روزے کی حالت میں ہم بھوک اور پیاس تو جھیل لیتے ہیں مگر قرب مولیٰ کی کیفیت سے آشنائی حاصل نہیں ہو پاتی جو کہ روزے کی خالص جزا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:

اَلصَّوْمُ لِی وَأَنَا أُجْزٰی بِہٖ۔ (مسلم، کتاب الصیام)

روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی روزے کا بدلہ ہوں۔

چنانچہ اگر قرب مولیٰ سے آشنائی ہو جائے تو یہی روزہ اس کے لیے اتنا محبوب ہو جائے گا کہ وہ عام دنوں میں بھی بہانے تلاش کر کے روزہ رکھے گا اور غربا و مساکین سے ہمدردی کے جذبے میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

چند ضروری اور مفید باتیں:

۱۔ سب سے پہلے اللہ رب العزت سے اپنی ہدایت اور اس پر ثابت قدمی اور استقامت کے لیے دعا مانگنی چاہیے، مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ: عمل کی قبولیت کی دلیل یہ ہے کہ بندہ اس پر ہمیشگی اور استقامت اختیار کرے، تاکہ اسے مزید کرنے کی توفیق ملتی رہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مقدس میں استقامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۱۳﴾ (احقاف)

ترجمہ: بے شک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یَا أَیُّہَا النَّاسُ، عَلَیْکُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِیقُونَ فَإِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوا، فَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَی اللّٰہِ مَا دُوْوِمَ عَلَیْہِ وَإِنْ قَلَّ۔ (مسلم، فضیلت عمل)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے اوپر حسب طاقت عمل کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا، بلکہ تم اکتا جاتے ہو۔ سب سے محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ فرض نمازوں کو حتی الامکان باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرے، یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ رمضان میں تراویح کی نماز جو فرض نہیں ہے اس کا زبردست اہتمام کرتے ہیں اور پورے سال فرض نمازوں کو ترک کرتے رہتے ہیں، حالانکہ حق تو یہ ہے کہ تراویح سے کہیں زیادہ پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کی جائے۔

۳۔ اعمال صالحہ میں سستی و کاہلی یا عدم دلچسپی پیدا ہوتے وقت کثرت سے رب کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کریں، کیوں کہ فساد قلب کا علاج توبہ و استغفار سے بہتر کوئی چیز نہیں، نیز اس سے طاعت و عمل میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ تلاوت قرآن روز کا معمول بنالیں، اگرچہ دو چار

آیات ہی سہی، اس سے تلاوت کی عادت بن جائے گی پھر یہ عمل آسان ہوجائے گا اور قرآن کے ذریعے ذکر کا فیضان بھی حاصل ہوتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ (ذاریات)

ترجمہ: ذکر کرو کیوں کہ ذکر مومنوں کو نفع پہنچاتا ہے۔

۵۔ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کی مجلسوں میں شریک رہیں، غافلوں اور دنیا داروں کی صحبت سے پرہیز کریں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَّاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ﴿١٥﴾ (لقمان)

ترجمہ: اس کی راہ چلو جو میری طرف مائل ہو۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا ﴿٢٨﴾ (کہف)

ترجمہ: اس کی فرماں برداری نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔

۶۔ ہمیشہ آخرت کی زندگی پیش نظر ہو، اسے بہتر بنانے کی فکر ہو، دنیاوی زندگی کو صرف ضرورت بھر اہمیت دینے کی کوشش کرے، کیوں کہ دنیا تعمیر حیات کی جگہ نہیں بلکہ امتحان حیات کی جگہ ہے اور اصل زندگی آخرت کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿٧﴾ (اعلیٰ)

ترجمہ: آخرت ہی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

٭٭٭

’’شاہ صفی اکیڈمی‘‘ الہ آباد کی فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالۃ المکیۃ

ترجمہ اور تحقیق و تخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

مجیب الرحمن علیمی

حزب اللہ اور حزب الشیطان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۂ نسا)

ترجمہ: اطاعت کرو اللہ اور رسول کی اور اپنے امیر کی۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ ورسول کی فرماں برداری کے بعد ''اولوالامر'' یعنی امیر کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا گیا ہے۔

امیر وہ شخص ہوگا جو اللہ ورسول کے حکم کے مطابق خود بھی زندگی گزارے اور دوسروں کو بھی اللہ ورسول کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دے۔ جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو اور اللہ ورسول کی مرضی ہی میں وہ راضی رہنے والا ہو۔ ایسے لوگ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے، بلکہ جو بھی حکم دیتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن مقدس میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ ''اولوالامر'' یعنی امیر کی اطاعت کا حکم بھی وارد ہوا ہے؟

اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ہے حضرت آدم سے لے کر آج تک صرف دو ہی گروہ رہے ہیں:

● حزب اللہ

یہ وہ گروہ ہے جو اللہ کے صادق ومخلص بندوں کی صحبت میں رہے اور اللہ کی طرف متوجہ لوگوں کی پیروی کرے، نیز اللہ ہی کے لیے مخلوق سے دوستی کرے اور اللہ ہی کے لیے دشمنی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے وہی حزب اللہ ہے۔ بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب رہنے والا ہے۔

● حزب الشیطان

یہ وہ گروہ ہے جو صراط مستقیم سے خود بھی دور ہو اور عام مخلوق کو بھی صراط مستقیم سے دور کرنے کی کوشش کرے، بلکہ اس کا ہر عمل شیطانی خواہشات کے تابع ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (سورۂ مجادلہ)

ترجمہ: ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے، پس اس نے انھیں اللہ کے ذکر سے غافل دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کے لشکر ہیں، جان لو! بے شک شیطانی گروہ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور وہ قیامت تک انسانوں کو صراط مستقیم سے بھٹکانے کی کوشش کرتا رہے گا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو اللہ کے

نیک بندے ہوں گے ان پر کسی بڑے سے بڑے شیطان کا بھی زور نہیں چل سکتا۔

شیطان کے مکر وفریب کا حال یہ ہے کہ وہ مختلف شکل و صورت میں آسکتا ہے، جیسے کبھی علم وعمل کے پردے میں بھی ظاہر ہوسکتا ہے اور کبھی زہد وتقویٰ کے لبادے میں بھی نمودار ہوسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امیر کی اطاعت کا حکم دیا تا کہ عام مخلوق بھی انسان نما شیطانوں کے مکر وفریب سے بچ سکے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان میں فرق

حزب اللہ سے تعلق رکھنے والے افراد ہر طرح کے دنیاوی رشتوں سے اوپر اٹھ کر صرف اللہ اور اس کی رضا کے لیے دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی ان کا طریقۂ حیات ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۲۲ (مجادلہ)

ترجمہ: آپ ان لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتا ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتے دار ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انھیں اپنی روح یعنی فیض خاص سے تقویت بخشی ہے اور انھیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوگیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں، یہی اللہ والوں کی جماعت ہے، یاد رکھو بے شک اللہ والوں کی جماعت ہی مراد پانے والی ہے۔

جب کہ حزب الشیطان سے تعلق رکھنے والے اپنی خواہش کی تکمیل اور اپنی دنیا کو حسین بنانے کے چکر میں اللہ کے دشمنوں سے دوستی اور اللہ کے دوستوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ۝۲۰ (مجادلہ)

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے بغض رکھتے ہیں وہی لوگ ذلیل ترین ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حقیقت میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے صالحین وصادقین بندوں کی پیروی کرنے والے لوگ ہی حزب اللہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

رہے وہ لوگ جو اللہ ورسول کے باغی ہیں یا جو بظاہر اللہ ورسول کی اطاعت کا دم تو بھرتے ہیں مگر اطاعت سے جی چراتے ہیں اور اللہ والوں سے بغض رکھتے ہیں، ایسے لوگ حزب الشیطان سے تعلق رکھنے والے ہیں، اگر چہ یہ لوگ اپنے دعویٰ کو مدلل کرنے کے لیے آیات و احادیث کا سہارا ہی کیوں نہ لیں، جیسا کہ خوارج نے اپنے امیر کی نافرمانی بھی کی اور اپنی اس معصیت کو درست ثابت کرنے کے لیے اللہ کے کلام إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ سے مدلل بھی کیا، لیکن ان کی نیتوں میں فساد تھا جس کے سبب وہ مردود قرار پائے۔

٭٭٭

افتخار عالم سعیدی

صبر کا حقیقی معنی اور مفہوم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ (بقرہ)

ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لغوی معنی

صبر کے معنی ہیں ہمت کرنا، برداشت کرنا، جمے رہنا اور نفس پر قابو رکھنا۔

اصطلاحی معنی

صبر کا اصطلاحی معنی ہے شہوت اور غضب سے بچنے کے ساتھ، ہر اس چیز سے اپنے آپ کو روکے رکھنا جس سے دین، جان، مال اور عزت کو نقصان ہو، یا نقصان ہونے کا خطرہ ہو۔

صبر کے فضائل

صبر ایک ایسی ڈھال ہے جس سے تمام مصیبتوں کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ یہ اچھے سے اچھے وقت اور برے سے برے وقت میں بھی انسان کا بہترین ساتھی ہے، یہی وجہ ہے کہ صبر اختیار کرنے والوں کے لیے بے شمار اجر دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴿۱۰﴾ (زمر)

ترجمہ: صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۹۶﴾ (نحل)

ترجمہ: ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے ان کا اجر ضرور دیں گے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴿۱۵۷﴾ (بقرہ)

ترجمہ: صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو۔ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ ان پر اُن کے رب کی خاص رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الصَّبْرُ فِي الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى۔ (سنن ترمذی، ابواب الجنائز)

ترجمہ: صدمہ پہنچنے پر صبر کرنا بہتر ہے۔

ایک دوسری حدیث پاک ہے:

اَلشُّكْرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ وَالصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ وَ الْيَقِيْنُ الْإِيْمَانُ كُلُّهُ۔ (شعب الایمان، باب الصبر)

ترجمہ: شکر نصف ایمان ہے، صبر بھی نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں صبر کرنا نیک اور پسندیدہ عمل ہے وہیں صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمتیں بھی نازل ہوتی ہیں۔

گناہوں سے صبر

صبر کے معنی ومفہوم اور فضائل جان لینے کے بعد یہ جاننا بھی لازم ہے کہ کن چیزوں پر اپنے آپ کو جمائے رکھنا اور کن چیزوں سے صبر کرنا اولاً ضروری ہے۔ اس وقت ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں، جہاں گناہ کو گناہ نہیں سمجھا جا رہا ہے، برائی اور بے حیائی عام ہے، فحاشی، بدکاری، بددیانتی، ریاکاری،

مکاری، فریب کاری، چغل خوری اور بغض وحسد جیسے گناہ قدم قدم پر ہو رہے ہیں، ایسے ماحول میں خود کو ان برائیوں سے بچانا اور صبر وتحمل سے کام لینا کسی مجاہدے سے کم نہیں، چوں کہ نفس کے لیے رائج چیزوں سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، اس لیے انسان احتیاط سے کام لے اور اپنے آپ کو اولاً گناہوں سے بچائے، نفس کو اُن کی طرف مائل نہ ہونے دے اور صبر کا دامن تھامے رکھے، اگرچہ یہ چیزیں نفس پر دشوار گزرتی ہوں، کیوں کہ عقلمندی اسی میں ہے کہ نفس کو عذاب قبر سے بچایا جائے اور آخرت کے لیے ہر ممکن تیاری کی جائے، ورنہ قیامت میں رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد)

ترجمہ: عقلمند وہی ہے جو اپنے نفس کو گناہوں سے دور رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے تیاری کرے اور احمق وہ ہے جو اپنی خواہش کے پیچھے پیچھے چلے۔

مصیبت پہ صبر

ویسے تو انسان کو ہر حال میں صبر وشکر سے کام لینا چاہیے لیکن مصیبت کے وقت بطور خاص صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہیے، تاکہ دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی حاصل ہو، کیوں کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مصیبت دے کر بھی آزماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ (بقرہ)

ترجمہ: ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے، کچھ اموال، جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوش خبری ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ضرور ہوگی جو بندہ اس کی رضا کا طالب ہوگا اسے ان آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ دنیا میں مال اور جان کی بڑی اہمیت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ مال کے ذریعے آزماتا ہے تو بڑے بڑے زاہد بھی ڈگمگانے لگتے ہیں، مثال کے طور پر مالداروں پہ زکاۃ فرض ہے، اس کے باوجود خود کی گاڑھی کمائی سے زکاۃ نکالنا نہایت مشکل امر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ فقیروں اور محتاجوں کو امیروں کے پاس بھیج کر آزماتا ہے وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی مال ودولت میں کمی ہو، کھیتی نہ ہو اور جان اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہو تو ان تمام حالتوں میں بھی صبر کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ جب کبھی جانی یا مالی، بدنی یا ذہنی آزمائش، مصیبت کی صورت میں ہو تو بندہ کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوگی، یا یہ کہ ہمارے لیے اسی میں بھلائی ہے۔

اختلافات پر صبر

جب کبھی کسی معاملے میں کوئی اختلافی صورت پیدا ہو تو اس وقت غیض وغضب کے بجائے صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے، خواہ معاملات میں اختلاف ہو یا عبادات میں۔ عام طور پر معاملات میں اکثر وبیشتر نااتفاقی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، چونکہ روزانہ آدمی ایک دوسرے سے ملتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے کاروبار، لین دین، پاس پڑوس، رشتے دار وغیرہ سے معمولی اختلاف ہو جانا فطری بات ہے، ایسی صورت میں صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوتے ہیں اور غضب کرنے والے اللہ کے غضب کے سائے میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ (سورۂ نحل)

ترجمہ: اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمھیں تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کسی کو تکلیف دے یا نقصان پہنچائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشی حاصل کرنے کے لیے معاف کر دے اور اگر معاف نہیں کر سکتا تو وہ اس سے اتنا ہی اور اسی طرح بدلہ لے جتنا کہ اس نے تکلیف یا نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن یہ ایک دشوار کام ہے، چونکہ عموماً آدمی جب غصے میں ہوتا ہے تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح ظالم سے بدلہ لینے کے چکر میں خود ظالم بن جاتا ہے، جو بہر حال انصاف کے خلاف ہے، بلکہ حد سے تجاوز کرنا ہے، چنانچہ جو لوگ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں جان لیں کہ وہ گھاٹے میں ہیں، کیونکہ ایسی صورت میں وہ خود ظالم بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴿۵۷﴾ (آل عمران)

ترجمہ: اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ بدلہ لینے میں جو لوگ رعایت نہیں کرتے تو معاملہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ جاتا ہے اور بات بننے کے بجائے بگڑ جاتی ہے، چھوٹی چھوٹی بات بڑھ کر یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ کبھی کبھی جان بھی گنوانی پڑتی ہے۔ یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ماننے کے بجائے خود فیصلہ کرتا ہے اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، جب کہ خواہش ہمیشہ برائی پر آمادہ کرتی ہے، اس طرح کے معاملات میں ہمیشہ صبر سے کام لینا چاہیے، اس لیے کہ صبر ہی وہ ڈھال ہے جو شیطان کے وار سے بچا سکتی ہے۔

ایک بات قابل غور یہ بھی ہے کہ آج عوام تو عوام کچھ علما و مشائخ بھی بے صبری میں ملوث نظر آتے ہیں، وہ صبر کے فضائل تو ضرور بیان کرتے ہیں لیکن جب صبر کا وقت آتا ہے تو شدت سے بے صبری کا اظہار کرتے ہیں۔ اسٹیج، درسگاہ اور فتاوے کے سلسلے میں اگر کوئی ناگواری کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو صبر وتحمل سے کام لینے اور معاملے کو سمجھنے سمجھانے کے بجائے ایک دوسرے کے پیچھے اس قدر ہاتھ دھو کر پڑتے ہیں کہ اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں جس کی وجہ سے امت میں انتشار واختلاف پھیلتا جا رہا ہے۔

ہر دین کا مبلغ یہی کہتا نظر آتا ہے کہ ہم دین کے معاملے میں کیوں صبر کریں، جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اصل میں تبلیغ دین ہی کے معاملے میں زیادہ صبر کرنا چاہیے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح تبلیغ دین کے لیے صبر کا مظاہرہ کیا ہے کم از کم اس کا عکس تو مبلغین میں نظر آنا ہی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴿۱۷﴾ (لقمان)

ترجمہ: حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو اور اچھی باتوں کا حکم دو، بری باتوں سے روکو اور ان کاموں کے انجام دینے میں جو مصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کرو، بے شک یہ ہمت والے کام ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے صبر سے کام لیں، اگرچہ ان کے نفس کو کچھ چیزیں ناگوار ہی گزریں۔ ایسا نہ ہو کہ تبلیغ میں نرمی اختیار کرنے کی جگہ زبردستی کرنے لگیں، جیسا کہ موجودہ زمانے میں کچھ نام نہاد مبلغین کا شیوہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی زور زبردستی والی تبلیغ سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (بقرہ)

ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

احسان جتانے پر صبر

ناموری اور شہرت کا عنصر انسان میں اس قدر غالب ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ اس دنیا میں ایک آدمی دوسرے کے کام آتا ہے، اس کی مدد کرتا ہے، مصیبت اور مشکل لمحوں میں اس کا ساتھ دیتا ہے، یہ کار خیر ہے لیکن کبھی کبھی شیطان کے ورغلانے پر انسان معمولی نا اتفاقی یا ناہمواری کی وجہ سے بھی احسان جتانے سے نہیں چوکتا اور وہ برجستہ یہ کہہ دیتا ہے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آج تو نظر نہیں آتا، یا اگر میں تیرا ساتھ نہیں دیتا تو تیرا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہوتا وغیرہ۔ چنانچہ وہ جان لے کہ اس طرح سے احسان جتانا اپنی نیکی کو تباہ و برباد کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۝٢٦٤ (بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم احسان جتا کر اور لوگوں کو تکلیف دے کر اپنے صدقات وخیرات کو برباد نہ کرو۔

اس آیت کریمہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کسی نے کبھی کسی کی مدد کی تو وہ اپنے مدد کرنے کا ڈھنڈھورا نہ پیٹے کہ میں نے فلاں کی مدد کی ہے، ورنہ اس کا یہ عمل کوئی نفع نہیں دے گا۔

صبر کا حکم

یہ بھی واضح رہے کہ ہر جگہ اور ہر چیز میں صبر نہیں ہے، بلکہ موقع ومحل اور حالات کے اعتبار سے صبر کرنا ضروری ہے، ورنہ اس کے برے نتائج نکل سکتے ہیں اور بجائے ثواب کے عذاب ملے گا۔ مثال کے طور پر کسی کی ماں، بہن، بیٹی، بہو وغیرہ کی عزت کو خطرہ لاحق ہے، یا کسی کی جان ومال کا خطرہ ہے، ایسے عالم میں صبر سے کام نہیں چلے گا۔

صبر کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ جن کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، ان چیزوں پہ صبر کرنا فرض ہے، جیسے زنا، چوری، حرام خوری، غیبت، چغلی وغیرہ سے صبر کرنا۔

۲۔ جن چیزوں کی حرمت نص ظنی سے ثابت ہے اس سے صبر کرنا واجب ہے، جیسے گالی گلوج اور کسی کو تکلیف دینے سے صبر کرنا۔

۳۔ جو چیزیں مکروہ ہیں، ان پہ صبر کرنا سنت ہے۔

بے صبری کے نتائج

بے صبری کا نتیجہ اس طور پر سامنے آتا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پہ بھروسہ نہیں کر پاتے اور حرام کاری کی جانب قدم بڑھانے لگتے ہیں، حالانکہ آج کا زمانہ ترقی یافتہ زمانہ ہے، سائنس اور ٹکنالوجی اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ لوگ چاند پہ پہنچ رہے ہیں اور عیش وعشرت کی مختلف چیزیں موجود ہیں، اس کے باوجود بہت سے لوگ آج بھی ذہنی الجھاؤ اور ڈپریشن کے شکار ہیں، خودکشی کے ذریعے خود کو ہلاک کر رہے ہیں اور ان چیزوں کے شکار صرف غریب اور بے کس افراد نہیں، بلکہ بڑے بڑے لوگ اور امیر بھی ہیں۔

آج لوگ تیزی کے ساتھ زندگی سے ناامید ہوتے جا رہے ہیں اور خودکشی جیسے خطرناک اور حرام قدم اٹھا رہے ہیں۔ یہ سب صرف اور صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ زندگی میں آنے والی مصیبتوں پہ صبر نہیں کر پاتے اور اس کی وجہ سے وہ موت کو گلے لگا بیٹھتے ہیں، ان تمام باتوں سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔

اللہ ہم سب کو صبر کی دولت سے نوازے۔ (آمین)

❊❊❊

سید قمر الاسلام

مومن ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ٨ (زمر)

ترجمہ: جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اسے پکارتا ہے، پھر جب اللہ اسے کوئی نعمت عطا کر دیتا ہے تو وہ اسے بھول جاتا ہے۔

مزید واضح اسلوب میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ١٢ (یونس)

ترجمہ: جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ سوتے جاگتے اور کھڑے ہوتے ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے چل دیتا ہے گویا تکلیف پہنچنے پر کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا اور حد سے گزرنے والوں کو اپنے کام ایسے ہی بھلے لگتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٢٢ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٢٣ (یونس)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ خوش گوار ہوا کے سہارے چلے، پھر جب اس پر وہ خوش ہوئے تو اچانک زور کی آندھی آئی اور ہر سمت سے لہروں نے ان کو گھیر لیا، پھر جب ان کو اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا تب انھوں نے بڑے مخلصانہ انداز میں اللہ کو پکارا کہ:

یا اللہ! اگر تو اس مصیبت سے ہم کو بچا لے گا، تو ہم شکر گزاروں میں ہو جائیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔

اے لوگو! تمہاری نافرمانی کا وبال تم ہی پر ہے۔ جب تک زندہ ہو، زندگی کا فائدہ اٹھالو، پھر تمھیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے، اس وقت ہم تمھیں تمہارے اعمال سے آگاہ کر دیں گے۔

زندگی میں انسان کبھی سکون وراحت میں ہوتا ہے تو کبھی مصیبت میں، مگر یہاں نہ راحت انعام کے طور پر ہے اور نہ مصیبت سزا کے طور پر۔ دونوں ہی کا مقصد ہے انسان کی آزمائش اور اس کا امتحان۔ یہاں انسان کے ساتھ جو کچھ بھی

پیش آتا ہے وہ صرف یہ دیکھنے کے لیے ہے کہ زندگی کے اندر انسان کی ترجیحات کیا ہیں، اس کی فکر وعمل کا طواف اس کی اپنی ذات تک محدود ہے یا اپنے رب کے لیے بھی وہ کچھ کرتا ہے۔ اس کا پانا اور کھونا دونوں امتحان کے لیے ہوتا ہے۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے، جو بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو سب کی غرض ایک ہے، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (ملک)

یعنی موت وزندگی اس لیے پیدا کی کہ تمہارا رب پرکھے کہ تم میں سے کس کا عمل زیادہ اچھا ہے۔

یہ دنیا ہر ایک کے لیے، چاہے وہ خوش حال ہو یا تنگ حال، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا رعایا اور مرد ہو یا عورت، ایک امتحان گاہ ہے، البتہ امتحان کا طرز مختلف ہے۔ کسی پر انعام واکرام کی بارش کر کے آزمایا جاتا ہے تو کسی کی آزمائش دنیا میں چین وسکون سے محروم کر کے ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ نعمتوں میں جینے والا صدقہ وخیرات کے ذریعے شکر کا طریقہ اپنائے اور مصیبتوں کے بھنور میں پھنسا ہوا شخص صبر کے ذریعے اللہ کا قرب تلاش کرے۔

عام طور پر انسانوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جب کسی کو کوئی کامیابی ملتی ہے تو اسے اپنی محنت کا پھل تصور کرتا ہے، خوشی سے اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں، فخر سے سینہ چوڑا ہو جاتا ہے اور ناکامی سے دوچار ہونے کی صورت میں سارا الزام اپنے رب پر تھوپ دیتا ہے اور اس سے گلے شکوے شروع کر دیتا ہے، یعنی راحت میں ناشکری اور مصیبت میں بے صبری۔

اِن دونوں آیتوں میں اللہ رب العزت نے انسان کی اسی حالت وکیفیت کا بیان کیا ہے کہ جب اس کو دکھ، مصیبت اور رنج وتکلیف لاحق ہوتی ہے تو بڑے عجز ونیاز کے ساتھ اللہ سے دعائیں مانگتا ہے، ایسی نازک حالت میں جب امید کے سارے چراغ گل ہونے لگتے ہیں تب وہ کامل یک سوئی کے ساتھ رب کو پکارتا ہے، روتا ہے، گڑگڑاتا ہے۔ لیکن جیسے ہی بلا ٹل جاتی ہے، مصیبت کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور زندگی میں خوشیاں آتی ہیں تو وہ رب کے احسانات اور اس کی نعمتوں کو بھلا دیتا ہے۔ اس کے احکام سے منہ موڑ لیتا ہے اور غرور وگھمنڈ کے نشے میں چور ہو جاتا ہے جو اہل ایمان کی شان نہیں، بلکہ اہل ایمان تو ہر حال میں صبر وشکر کا پیکر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۱۵۶ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۱۵۷ (بقرہ)

ہم تم کو ضرور آزمائیں گے خوف سے، بھوک سے، جان ومال اور پھلوں کی کمی سے، خوش خبری سنا دیجیے صبر کرنے والوں کو، جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ یہ وہ

لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

حالات جب کبھی ان کے لیے ناسازگار ہوتے ہیں، خوف وہراس کا ماحول ہوتا ہے، یا کبھی بھوک پیاس کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، جان و مال سے محرومی یا خسارے کا سامنا کرنا ہوتا ہے، یا اولاد کے ذریعے ان کی آزمائش ہوتی ہے تو اُن کی زبان پر یہ نغمہ ہوتا ہے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ (بقرہ)

یعنی ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں لوٹ کر اُسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

اسلام میں ان الفاظ کو کلمہ استرجاع کہتے ہیں، یہ کوئی رسمی کلمہ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت کا مظہر ہے، اس کلمہ کے ذریعے ایک مسلمان اللہ کے حضور اپنی بندگی کا اعتراف کرتا ہے، وہ اس حقیقت کا اقرار اور اظہار کرتا ہے کہ اے میرے رب! دینے والا تو ہی ہے، اگر تو نے اپنی کوئی نعمت مجھ سے لے لی تو تجھ کو لینے کا حق ہے۔ یہ بندے کی طرف سے اپنے خالق و مالک کی عظمت و کبریائی کا اعلان ہے اور اللہ کی بارگاہ میں بندے کی عجز و انکساری کا اعتراف ہے۔

اسی طرح انھیں جب کوئی نعمت میسر ہوتی ہے تو نہ خوشی سے پھولتے ہیں اور نہ ہی احساس برتری میں مبتلا ہوتے ہیں، بلکہ فوراً بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں اور زبان حال سے کہتے ہیں کہ:

هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ۔ (نوادرالاصول)

یعنی یہ سب میرے پروردگار کا فضل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عَجَباً لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرٌ لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، وَكَانَ خَيْرٌ لَهُ۔ (مسلم، باب المومن)

ترجمہ: مومن کا معاملہ عجیب ہے، اس کا ہر معاملہ خیر ہے اور یہ شان صرف مومن ہی کی ہوتی ہے، اگر اسے خوشی ملتی ہے شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے، اگر وہ مصیبت میں ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ راحت و مصیبت سے متأثر انسان کی دو حالتیں ہیں:

- ایک ناشکری اور بے صبری
- دوسرا شکرگزاری اور صبر

پہلا طریقہ کفر و منافقت پر مبنی ہے اور دوسرا طریقہ ایمان و یقین پر۔

اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری اور مصیبتوں میں بے صبری کا طریقہ اپناتا ہے وہ ناکام ہے اور جو شخص ان حالتوں میں بھی صبر و شکر سے کام لیتا ہے، حقیقت میں وہی کامیاب ہے۔

٭٭٭

عالمی شہرت یافتہ کثیر الاشاعت رسالہ

خضر راہ

میں اشتہارات دیکر اپنے کاروبار کو آگے بڑھائیں۔

اعلان برائے مولانا آزاد اسٹڈی سنٹر (019)

سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

تفصیلات برائے قدیم طلبہ

کلاس اور امتحان کی کاروائی مندرجہ ذیل شیڈول کے مطابق انجام پائے گی، سینٹر سے منسلک طلبہ و طالبات سے اپیل ہے کہ وقت متعینہ پر اپنی کارروائی مکمل کرلیں۔

کلاس شروع ہونے کی تاریخ:	۱۱/اگست ۲۰۱۳
امتحان فارم پر کرنے کی تاریخ:	یکم جولائی ۲۰۱۳ سے ۱۸/اگست ۲۰۱۳ تک
امتحان شروع ہونے کی تاریخ:	۲۰/نومبر ۲۰۱۳

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں:

سید محمد فرقان سعیدی

جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

9335292771, 8081109914

امیر کی اطاعت: اسباب اور حکمتیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ۵۹ (سورۂ نسا)

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، رسول کی اور اپنے امیر کی۔

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

۳۔ امیر کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو اس لیے ہوگی کہ وہی حاکم و مالک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس لیے ہوگی کہ رسول کا حکم درحقیقت اللہ کا ہی حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ۷ (سورۂ حشر)

ترجمہ: رسول جو تمھیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

کیوں کہ رسول جو کچھ حکم دیتے ہیں وہ اللہ ہی کی جانب سے حکم دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۳ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۴ (نجم)

ترجمہ: رسول اپنی جانب سے کچھ نہیں بولتے، بلکہ یہ وہی بولتے ہیں جو اُن پر وحی کی جاتی ہے۔

اور امیر کی اطاعت اس لیے کی جائے گی کہ اگر وہ صحیح معنوں میں امیر ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوگا۔ اس طرح اس کی اطاعت یا اس کی نافرمانی دراصل اللہ ہی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و نافرمانی ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔ (مسلم، وجوب طاعۃ الامیر)

ترجمہ: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (بخاری، باب السمع والطاعۃ للامام)

ترجمہ: جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو صبر کرے، کیوں کہ جو بھی شخص جماعت سے بالشت بھر الگ

ہوا، پھر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

غرض کہ امیر کی اطاعت کے بہت سارے اسباب ہیں:

ا۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، یہ حکم ہمارے لیے خود اتنا اہم ہے جس کے بعد کسی دوسرے سبب کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

۲۔ انسان جب بھی خود کوئی فیصلہ کرتا ہے یا کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس میں اس کا نفس شامل ہو جاتا ہے، اگر وہ فیصلہ یا کام خود اس سے متعلق ہوتا ہے تو وہ اس میں آسان سے آسان راستہ تلاش کرتا ہے، اس بات کو ساری دنیا والے جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر اس جگہ جہاں پر کچھ لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، نظام کو درست رکھنے کے لیے لوگوں پر ایک انسان کو امیر و حاکم بنایا جاتا ہے، تا کہ جو لوگ وہاں پر رہ رہے ہیں وہ بکھر نہ جائیں اور صرف اپنا فائدہ تلاش کرنے کے چکر میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کر بیٹھیں اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ امیر و حاکم اسی کو بنایا جاتا ہے جو ان تمام افراد میں بڑا عالم اور تجربہ کار ہو۔

۳۔ سوسائٹی اور معاشرے میں ایک انسان کے ظلم کرنے پر دوسرا انسان روک تھام کر سکتا ہے مگر نفس جو ہر اس انسان پر غالب ہے جو اپنی حقیقت کو نہیں جانتا وہ نفس کے ظلم سے کیسے بچ سکے گا؟

۴۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان خوب عمل کرتا ہے، پھر عمل کرتے کرتے اس کے اندر اپنے عمل کی بڑائی کا ایک خیال آتا ہے اور آگے چل کر وہ تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر اس انسان کو حقیر جاننے لگتا ہے جو اس کی طرح عمل کو انجام نہیں دیتا، مثلاً: اگر وہ نمازیں خوب ادا کرتا ہے تو اب ہر اس انسان کو جو فرائض کے علاوہ نوافل پر توجہ نہیں دیتا اس کو حقیر جانتا ہے، یہی حال ہر اس شخص کا ہے جو کسی ایک کام کو انجام دیتا ہے دوسرا انسان اس کے نزدیک اس کام کو انجام نہ دینے کے سبب اللہ کا مقرب نہیں ہوتا، لیکن امیر اگر صحیح معنوں میں پیغمبر کے نقش قدم پر ہو تو اس جیسی نہ جانے کتنی ہلاک کر دینے والی بیماریوں سے لوگوں کو بچا لیتا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر جسم کو بیماریوں سے بچانے کی پوری کوشش کرتا ہے مگر وہی مریض ڈاکٹر کے علاج سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے جو اس کی باتوں پر عمل کرتا ہے، چنانچہ امیر و مرشد بھی روحانی ڈاکٹر ہوتا ہے جو اس کو روحانی امراض سے بچاتا ہے مگر اس سے فائدہ وہی شخص حاصل کر پاتا ہے جو اپنے امیر کی طاعت و فرماں برداری کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

جماعت کے ساتھ رہو اس لیے کہ جو جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا (من شذ شذ فی النار) اور جماعت اسی وقت وجود میں آئے گی جب اس کا کوئی امیر ہوگا۔

۶۔ جس طرح جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ثواب ۲۷ رگنا زیادہ بڑھ جاتا ہے، اسی طرح امیر و مرشد کی رہنمائی میں عبادت کا ثواب اور نور بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ نے اپنے معمولات کے تعلق سے ''فوائد الفواد'' میں ایک مقام پر جو گفتگو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جن وظائف کی تلقین میرے شیخ نے مجھ کو کی، ان کے کرنے میں، ان وظائف سے جن کو میں خود سے کرتا ہوں، زیادہ نور پاتا ہوں۔

۷۔ امیر چونکہ اللہ و رسول کا دوست ہوتا ہے، اس لیے اللہ کی بارگاہ میں اس کے دوست کے ساتھ یا واسطے سے جانے میں اللہ کا زیادہ فضل و کرم حاصل ہوتا ہے۔

۸۔ شیخ وامیر اپنے سلسلے کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست اللہ سے نور و عرفان حاصل ہوتا ہے جس کی دلیل ہے: دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ (اللہ کی طرف بلانے والے ہیں اس کی اجازت سے) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ ماذون تھے، پھر تابعین ان کے بعد تبع تابعین اور اس طرح ایک کے بعد ایک اپنے رہنما و مرشد اور امیر و حاکم کی اجازت سے ماذون ہیں۔

اب یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جس طرح پاور ہاؤس کی لائٹ پہلے ہائی پاور کے ذریعے ٹرانسفارمر میں آتی ہے پھر وہاں سے وائر کے ذریعے ہولڈر میں آکر بلب کو روشن کرتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرفان اور اس کی رحمت سب سے پہلے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے، پھر وہاں سے مشائخ کرام کے وسیلے سے امیر و مرشد تک پہنچتی ہے اور پھر مرید صادق کے دل کو منور کرتی ہے، اس لیے ہمیں اس نورانی اور عرفانی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ (آل عمران)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

۹۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ جب ہم نماز ادا کرتے ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مکمل حاضر نہیں ہوتے، ہمارا ذہن و دماغ بازاروں اور دنیا کی خرافات میں لگا رہتا ہے لیکن جب ہم کسی اللہ والے کے پاس بیٹھ کر اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ہمارا یہی ذہن و دماغ مکمل طور سے حاضر رہتا ہے، بلکہ بہت سے افراد تو اللہ کا ذکر سن کر خوف و شوق میں رونے لگتے ہیں اور بہت سے بے خود بھی ہو جاتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ امیر کی اطاعت کے بہت سارے فوائد اور حکمتیں ہیں۔ امیر کی اطاعت سے ہم بہت ساری بلاؤں سے بچ جاتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے اوپر کسی ایسے امیر کی اطاعت واجب کر لینی چاہیے جو صحیح معنوں میں نائب رسول ہو۔ یہی اللہ تک پہنچنے کا سب سے آسان راستہ ہے۔

✲✲✲

ماہنامہ خضر راہ الہ آباد کا
پانچ سالہ ممبر بنیں
صرف -/900 روپے میں

آفتاب رشک مصباحی

نجات کے رہنما اصول

نور العارفین سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (و:۱۸۳۹ء۔م:۱۹۰۶ء) کے تعارف میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آپ نے مارہرہ اور بدایوں سے روحانی اور علمی سیرابی حاصل کی اور وہ کمال حاصل کیا کہ یکتائے روزگار ہستیاں اور اکابرین امت نے آپ کی غلامی کو اپنے لیے فضل وشرف اور عظمت کا باعث جانا۔

آپ (علیہ الرحمہ) نے تقریباً ایک درجن کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، ان میں ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' اپنے فوائد کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یوں تو یہ کتاب متوسلین مارہرہ کے لیے لکھی گئی ہے مگر اپنی افادیت کے لحاظ سے یہ کتاب تمام مسلمانوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

ذیل میں کتاب مذکور سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں اس امید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ لکھنے پڑھنے سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق دے:

نوری میاں قدس اللہ سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ظاہر و باطن ایک ہو

بندے کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر بری عادتوں سے پاک کرے، نیز اپنے باطن کو اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ کرے، اس لیے کہ باطنی حسن کے بغیر ظاہری حسن کارفضول ہے۔ کم عقل یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم نے نماز اور روزہ ادا کر لیا تو شریعت کے سب احکام ادا ہو گئے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ شریعت مطہرہ نے جیسے نماز وروزہ فرض کیا اور چوری و زنا کو حرام فرمایا ایسے ہی اخلاص، تواضع، وفا اور صفا وغیرہ کو فرض اور تکبر، ریا، عہد شکنی، باطنی برائیوں وغیرہ جیسی بری عادتوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔

ان باتوں کا جاننا اور ان پر عمل کرنا شریعت کا جزو اعظم ہے جس کی پیروی کرنی ہے۔ پہلی چیزیں، جیسے نماز وروزہ وغیرہ ظاہری اعضا سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسری چیزیں جیسے اخلاص، تواضع، تکبر اور ریا وغیرہ باطن سے متعلق ہیں۔ جب تک ظاہر، باطن کے مطابق اور باطن، ظاہر کے مطابق صاف وشفاف نہ ہو جائے اس وقت تک شریعت کی پیروی کا دعویٰ کرنا اپنے آپ کو فریب دینا ہے۔(ص:۲۵)

۲۔کسی پر لعن طعن نہ کرو

بندہ کو چاہیے کہ وہ کسی پر لعن طعن نہ کرے، اگر چہ وہ کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کے بعد اگر وہ لعنت کا مستحق ہوا تب تو ٹھیک، ورنہ اس کی لعنت، لعنت کرنے والے کی طرف لوٹے گی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ لعنت بھیجنے کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے اس طرح کہے کہ: یا اللہ! فلاں کو تو اپنی رحمت سے دور رکھ اور اسے اس طرح اپنی رحمت سے محروم کر کہ کل قیامت میں اسے تیری رحمت سے کوئی حصہ نہ ملے۔

بے شک رحمت سے دوری کافروں اور مشرکوں ہی کے لیے ہے مگر خاتمہ کا حال جانے بغیر کہ وہ ایمان پر فوت ہوا، یا کفر پر۔ لعنت کرنے کی جرأت کیسے کی جا سکتی ہے۔

اسی لیے کافر و مشرک پر بھی لعنت کرنا منع ہے اور الحمد للہ ہم لعنت سے کام نہیں رکھتے اور نہ یہ مسلمان کی شان ہے کہ وہ لعنت کرنے والا ہو اور فحش گو ہو۔ (ص:۵۹-۵۰)

۳۔ ولی کی پہچان

ولی اور غیر ولی کی پہچان یہ ہے کہ بندہ پہلے اپنے دل اور دماغ کو تمام خرافات سے خالی کرے، پھر تعصب کی عینک اتار کر قلب کی سلامتی اور عقل کی درستگی کے ساتھ کسی کی صحبت اختیار کرے، اس کے شب و روز کا مشاہدہ کرے اور دیکھے کہ اس کی صحبت میں اللہ یاد آتا ہے، اللہ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور برائی سے ہٹ کر نیکی کی طرف میلان بڑھتا ہے تو جان لے کہ: وہ اللہ کا ولی ہے اور اگر اس کے برخلاف دنیا یاد آئے، دنیا کی محبت بڑھے یا پھر برائی کا جذبہ ختم نہ ہو تو یہ جان لے کہ وہ ولی نہیں ہے اور جب تلاش و جستجو کے بعد اللہ کے ولیوں میں سے کوئی مل جائے تو ان کے در پر ان ہی کا ہو کر بیٹھ جائے اور ان کی خدمت کو دونوں جہان کی سعادت جانے۔

(ص:۶۹-۳۱)

۴۔ انسانوں اور چوپایوں میں فرق

انسان چار اوصاف کے ساتھ عدم سے وجود میں آیا ہے:

۱۔ بہیمی ۲۔ سباعی ۳۔ شیطانی ۴۔ ملکوتی

صفت بہیمی یعنی حیوانی کی وجہ سے قوت شہوانی ظاہر ہوتی ہے، صفت سباعی یعنی درندگی کی وجہ سے قوت غضب ظاہر ہوتی ہے، صفت شیطانی کی وجہ سے غرور، نخوت، گھمنڈ، چالبازی اور مکاری وغیرہ ظاہر ہوتی ہے اور صفت ملکوتی جو اصل صفت ہے اس کی وجہ سے انسانوں نے انسان کا نام پایا اور اسی کی وجہ سے طاعت و فرماں برداری، محبت و خلوص اور اخلاق حسنہ جیسے اعمال ظاہر ہوتے ہیں۔

اب اگر انسان میں دیگر صفات پر صفت ملکوتی غالب ہے اور اس نے دوسری صفات کو مغلوب و محکوم بنا رکھا ہے تب تو وہ انسان کہے جانے کا مستحق ہے، ورنہ اس کا شمار چوپایوں، درندوں اور شیطانوں میں ہوگا۔ چنانچہ ہر انسان اپنا اپنا محاسبہ کرے کہ اس کا شمار کس خانے میں ہے، انسانوں میں یا چوپایوں میں۔ (ص:۷۵)

۵۔ غافل نہیں ذاکر بنیں

عبادتوں میں دل کو حاضر رکھنے کی دو صورتیں ہیں:

☆ پہلی صورت تو یہ ہے کہ آدمی یہ تصور کرے کہ اللہ

تعالیٰ اپنی تمام صفات تنزیہی کے ساتھ میرے سامنے موجود ہے اور میں اسے دیکھ کر اس کی عبادت کر رہا ہوں، یہ مقام بھی بہت اونچا ہے۔

☆ دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندرونی اور بیرونی حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہے اور میں سراپا نیاز ہو کر اس کی عبادت کر رہا ہوں، یہ مقام بھی بندے میں ذوق وشوق، نور وحضور اور خلوص وللہیت پیدا کرتا ہے۔ یہ مقام پہلے مقام سے کم درجے کا ہے اور وہ عبادت جو ان دونوں صورتوں سے خالی ہو کہ نہ حق کی حضوری کا اعتقاد کامل ہو، نہ اس کے دربار میں خود اپنی حضوری کا اعتماد ہو تو ایسی عبادت غافلوں کی عبادت ہے کہ زبان کلمۂ الٰہی ادا کرتی ہے اور دل غیروں کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔

اس لیے بندے کو چاہیے کہ وہ ذاکر بنیں، غافل نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝

(سورۂ ماعون)

ترجمہ: ویل (جہنم کی ایک وادی) ہے ان نمازیوں کے لیے جو نماز میں بھی یادِ الٰہی سے غافل ہوتے ہیں۔ (ص:۱۰۱)

۶۔ گواہی بغیر دو عادل گواہوں کے قبول نہیں

بندے کو چاہیے کہ وہ صرف ایک شخص کی گواہی کا یقین نہ کرے، اگر چہ گواہی دینے والا شریعت کے نزدیک عادل ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ شریعت مطہرہ میں دو عادل گواہوں سے کم کی گواہی معتبر نہیں، اگر کوئی اللہ کا ولی بھی گواہی دے کہ زید کے عمر پر اتنے دام باقی ہیں تو قاضی یا مفتی کو صرف اسی گواہی پر فیصلہ کر دینا جائز نہیں، اگر چہ اس ولی کی سچائی کا دل کو یقین ہے۔

جب کہ آج کسی کی سچائی پر دل کا جم جانا ہی مشکل ہوتا جا رہا ہے، ایسے عالم میں کسی فاسق وفاجر کی سنی سنائی باتوں پر کسی حکم کا نافذ کر دینا جو دور حاضر کا چلن ہوتا جا رہا ہے بڑی جرأت کی بات ہے۔ اللہ لوگوں کو ہدایت دے۔ (ص:۱۵۸)

✲✲✲

شیخ تربیت کی تلاش

امام عبدالوہاب شعرانی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

مرید صادق کی پہچان یہ ہے کہ اگر اس کے شہر میں کوئی مربی نہ ملے تو اپنے شہر کو خیر باد کہہ کر اس زمانے میں مریدین کی تربیت کرنے والے شیخ کی بارگاہ میں چلا جائے اگر چہ اس کے اور اس شیخ کے درمیان سال یا اس سے بھی زیادہ دنوں کی دوری ہو۔

(مجلہ الاحسان، الہ آباد، ص:۱۹، سنہ ۲۰۱۳)

اعلان برائے داخلہ سال:2013-14

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، اسٹڈی سینٹر (019)

سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد) کے تحت داخلے کا آغاز ہو چکا ہے

(Urdu,English,History)M.A. اور B.A.,B.Com

خواہشمند طلبہ وطالبات وقت مقررہ پر داخلے کی کارروائی مکمل کرلیں۔

تاریخ داخلہ

4/اگست 2013 سے 30/اگست تک

معلومات کے لیے رابطہ کریں:

سید محمد فرقان سعیدی

جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

9335292771, 8081109914

اصغرعلی مصباحی

قلب کی بیماریاں اوران کا علاج

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ (شعرا)

ترجمہ: قیامت کے دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ اولاد، مگروہی شخص نفع دے گا جوسلامت دل (یعنی بےعیب دل) لےکرحاضرہوا۔

اس آیت کریمہ میں غورکریں تومعلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بالخصوص مال اوراولادکا ذکرکیاہے، کیونکہ ہرشخص کو مال اوراولادسے کچھ زیادہ ہی محبت ہوتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ قیامت میں ہروہ چیزجس سے تم محبت کرتے ہو، نفع نہ دے گی، خواہ وہ مال، اولاد، یااورکوئی چیزہو۔ ہاں! اگران سب سے نفع کی امیدرکھتے ہوتوقلب سلیم کےساتھ آؤ، پھرہرچیزتمہارے لیےنفع بخش ثابت ہوگی۔

مزیدغورکرنے سے یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ انسان مال اوراولادپاکرمطمئن ہوجاتاہےاوروہ یہ سوچتاہے کہ اب اسے چین وسکون کی زندگی میسرآ گئی، کیوں کہ اگرکسی شخص کے پاس صرف مال ہی ہواس وقت بھی وہ بےچینی محسوس کرتا ہے، یا اس کے پاس صرف اولادہی ہوتوبھی وہ بےقراری کے عالم میں رہتاہے۔لیکن جس کسی کے پاس یہ دونوں چیزیں ہوں تو وہ کافی حدتک چین وسکون محسوس کرتاہے، گویا اللہ تعالیٰ نے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جس طرح تم دنیا میں مال اور اولاد پاکرچین وسکون کی زندگی پالیتے ہوتو یہ مت سمجھو کہ قیامت میں بھی ان دونوں کی وجہ سے راحت مل جائے گی، بلکہ راحت وسکون کےحصول کا مدارصرف قلب سلیم پرہے، یعنی ہرطرح کی قلبی بیماریوں سے دوررہنے میں، اگرقلب درست اورسالم ہےیعنی اس میں کبروغروراورکینہ وحسدنہیں ہےتوآخرت کی ساری راحتیں تمہارے لیے ہیں اوراگرقلب میں فساداورمرض ہےیعنی دل میں کبروغروراورکینہ وحسد ہے توپھرہرطرح کی تکلیفیں تمہارے لیے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَخْلَصَ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ، وَجَعَلَ قَلْبَهُ سَلِيمًا۔ (مسنداحمد، ابوذرغفاری)

ترجمہ: وہ شخص کامیاب ہوا، یا اسے آخرت کی ساری راحتیں مل گئیں جس نے اپنے دل کوایمان کے لیےخالص کرلیا اوراُسےصحیح وسالم رکھا۔

مزیدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔ (مسلم،تحریم الکبر)

ترجمہ: وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا، یا اسے آخرت میں راحت نہ ملےگی جس کے دل میں ذرہ برابربھی کبراور غرورہوگا۔

اس لیے جوآخرت میں چین وسکون اورآرام کا طالب

ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو خرافات سے دور رکھے اور دنیاوی فساد سے بچا کر رکھے، اگر کوئی شخص ایسا ہے جو آخرت کا آرام اور اس کی راحتیں نہ چاہے اور اپنے دل کے مرض کا علاج نہ کرے، اسے بڑھنے دے تو میرے خیال میں اس سے بڑا بدبخت شاید ہی کوئی ہوگا، کیوں کہ ایک مسلم اس بات کو کبھی گوارہ نہیں کرسکتا کہ اسے آخرت کی راحت نہ ملے اور اس کا دل بیمار ہو، اس لیے ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اپنے دل کو دنیا کے خرافات اور بری عادتوں سے بچائے رکھیں اور پھر یہ کہ ایک کامل مسلم ہونے کے ناطے ہر عیب اور نقص سے دل کو پاک کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان درست نہ ہو جائے اور نہ کوئی اس وقت تک مومن سمجھا جا سکتا ہے جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کے شر سے سلامت نہ ہوں۔ (عوارف المعارف، ص:۴۱۹)

ان تمام باتوں سے معلوم ہو گیا کہ آخرت کی کامیابی دل کی درستگی پر موقوف ہے، اگر دل درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہے لیکن اگر دل ہی میں فساد آ گیا تو پھر کسی چیز کی توقع فضول ہے، اس لیے کہ ارشاد نبوی ہے:

أَلاَ وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ۔

(مسلم، باب: اخذ الحلال وترک الشبہات)

ترجمہ: سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو گیا تو پورا جسم درست ہو گیا اور اگر اسی میں فساد آ گیا تو پھر پورا جسم فاسد ہو گیا۔ جان لو کہ: وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔

چنانچہ ہمیں دل کی صفائی پر سب سے پہلے اور زیادہ توجہ دینا چاہیے، کیوں کہ ہمارے اعضا سے صادر ہونے والے جملہ افعال کے درست ہونے کا مدار دل ہی ہے، اگر دل میں خلوص ہے تو ہمارے اعمال میں بھی اخلاص ہوگا، اس لیے کہ اعضا سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو دل میں ہوتا ہے، لیکن دل کو درست کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کے فسادات و امراض کیا ہیں اور اس کا علاج کیا ہے؟ اس لیے ہم ذیل میں اس کی مختصر تشریح کر رہے ہیں۔

قلوب عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ قلب سلیم یا زندہ قلب

امام ابوالقاسم قشیری (م:۴۶۵ھ) لکھتے ہیں:

قلب سلیم وہ دل ہے جو خوف خدا سے ڈسا ہوا ہو، یعنی جس طرح سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا شخص بے چین، مضطرب، اور بیکل رہتا ہے اسی طرح قلب سلیم بھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے بیکل اور بے چین رہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ پہلے گمراہی سے دور رہے، پھر بدعت سے پھر غفلت سے پھر عیب سے پھر دنیاوی عیش و آرام اور دنیاوی رنگینیوں سے اور یہ تمام چیزیں آفتیں ہیں۔

اکابر ان سے دور رہتے ہیں اور اصاغر ان کی آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق قلب سلیم یہ ہے کہ

انسان اپنے نفس کی محبت، اس کی طرف توجہ دینے اور اس کی مرضی سے بھی دور ہو۔ (لطائف الاشارات: ج:۲،ص:۴۰۳)

غرض کہ قلب سلیم وہ ہے جس میں غیر اللہ کا گزر نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی یاد ہو اور یاد اس حد تک ہو کہ دل سے اگر کوئی اللہ کی یاد کو بھلانا بھی چاہے تو نہ بھلا سکے، خواہ وہ بیع وتجارت میں مشغول ہو یا دنیا کے کسی بھی کام میں۔

قرآن مقدس میں ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور)

ترجمہ: کچھ اللہ والے ایسے ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی دل مطلوب ہے اور ایسے ہی دل پر تجلیات الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ (مسلم، تحریم ظلم المسلم)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورت اور مال کو نہیں دیکھتا وہ تو صرف تمہارے دل اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ہم لوگ گندی چیزوں کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتے تو اللہ رب العزت ہمارے گندے دل کی طرف دیکھنا کیسے پسند کرے گا؟ اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی نظر ہمارے دل پہ ہو، ہمارے قلوب پر اس کی خاص رحمتوں کا نزول ہو تو ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو اللہ کی یاد سے زندہ رکھیں۔

۲۔مردہ قلب

اس دل کو کہتے ہیں کہ جس میں نہ اللہ کی محبت ہو، نہ اس کی یاد ہو اور نہ ہی اس کی رضا کی طلب ہو، یعنی دل اس قدر مردہ ہو کہ اس پر ذکر واذکار کا کچھ اثر ہی نہ ہو، ایسے ہی قلب کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (بقرہ)

ترجمہ: ان کے دلوں میں مرض ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس مرض کو اور بڑھا دیا۔

اس کو قلب غافل بھی کہتے ہیں۔ البتہ! اگر اس کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا کوئی مل جائے تو وہ بہت جلد بیدار ہو جاتا ہے۔

۳۔فاسد قلب

یہ وہ دل ہے جو اللہ کی محبت اور اس کی یاد سے تو خالی ہو۔ لیکن دنیا کی محبت سے آباد ہو اور تمام تر دنیاوی خرافات کا مجموعہ بھی ہو، جیسے بغض وکینہ، حسد، جلن، تکبر، خود پسندی، خود نمائی، غرور و گھمنڈ، نخوت ونفرت وغیرہ۔

آج ہمارے دل کا حال یہی ہے کہ یہ تمام بری خصلتوں کا مسکن ہے اور اس حدیث پاک کے مطابق ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَذْنَبَ ذَنْبًا نُكِتَ فِي قَلْبِهِ بِذٰلِكَ الذَّنْبِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِنْ تَابَ مُحِيَتْ مِنْ قَلْبِهِ، فَتَرَى قَلْبَ الْمُؤْمِنِ مُجْلًى مِثْلَ الْمِرْآةِ، مَا يَأْتِيْهِ الشَّيْطَانُ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا أَبْصَرَهُ، وَأَمَّا الَّذِي يَتَتَابَعُ فِي الذُّنُوْبِ، فَإِنَّهُ كُلَّمَا أَذْنَبَ ذَنْبًا نُكِتَ فِي

قَلْبِہٖ نُکْتَۃٌ سَوْدَاءُ، فَلَا یَزَالُ یُنْکَتُ فِی قَلْبِہٖ حَتّٰی یَسْوَدَّ قَلْبُہٗ، وَلَا یُبْصِرَ الشَّیْطَانَ مِنْ حَیْثُ یَأْتِیْہِ۔ (حلیۃ الاولیاء)

ترجمہ: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک سیاہ دھبّہ پڑ جاتا ہے، پھر اگر وہ اس گناہ کو چھوڑ کر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا دل آئینے کی طرح صاف و شفّاف ہو جاتا ہے اور شیطان جس راستے سے بھی آتا ہے وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔ اگر کوئی بار بار گناہ کرتا رہتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اس کے قلب پر اس قدر سیاہ دھبّہ پڑتا رہتا ہے کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر شیطان جس راستے سے بھی آتا ہے وہ اس کو پہچان نہیں پاتا۔

آج ہماری یہی حالت ہے کہ شیطان ہمارے سامنے برے عمل کو اس طرح مزین کر کے پیش کرتا ہے کہ ہم اسے پہچان ہی نہیں پاتے، اگر ہم نے اپنے زنگ آلود اور بیمار دل کا فوراً علاج نہیں کیا تو ہم بھی سخت نقصان میں ہوں گے۔

فاسد قلب کا علاج

اگر قلب کے اندر فساد اور مرض ہو تو اس کو دور کریں اور ان اعمال سے توبہ کریں جن سے قلب میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے، یا جن سے مرض بڑھنے کے امکانات ہوتے ہیں۔

لیکن اس کا علاج اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ کوئی ماہر روحانی طبیب نہ مل جائے، یعنی نفس کا تزکیہ اور تصفیہ کرنے والے، محسنین، صادقین وغیرہ اور جب کوئی ماہر روحانی طبیب یعنی شیخ کامل اور مرشد مل جائے تو ان کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں، ان سے اپنے قلبی مرض کا علاج کروائیں اور اس وقت تک ان سے رشتہ نہ توڑیں جب تک کہ تمام بیماریاں ختم نہ ہو جائیں اور قلب ہر برائیوں سے متنفر نہ ہو جائے۔

جس طرح ہاسپٹل میں داخل مریض اس وقت تک گھر نہیں لوٹتا جب تک کہ اس کا مرض دور نہ ہو جائے، اگرچہ اسے ہاسپٹل میں سالہا سال رہنا پڑے، اگرچہ اسے لاکھوں روپیہ خرچ کرنا پڑے، اسی طرح اگر روحانی طبیب کے پاس اپنے قلب کا علاج کرا رہے ہیں تو اس وقت تک ان سے اپنا رشتہ منقطع نہ کریں جب تک کہ قلب کا ایک ایک مرض ختم نہ ہو جائے، اگرچہ سالہا سال گزر جائے، اگرچہ ہر طرح کی جانی اور مالی دقتوں کا سامنا کرنے پڑے۔ نیز جس طرح ایک مریض ڈاکٹر کے عمل کے خلاف چون و چرا نہیں کرتا، اگرچہ ڈاکٹر اس کا پیٹ چیر دے، یا گردہ نکال دے، اسی طرح قلبی مریض کو بھی ہونا چاہیے کہ اپنے روحانی طبیب کے حکم کے خلاف چون و چرا نہ کرے، اگرچہ اسے بڑی سے بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے اور جس طرح ڈاکٹر بعض اوقات مریض کو اس کے من پسند غذا سے بھی روک دیتا ہے تو مریض اسے بالکلیہ چھوڑ دیتا ہے، اسی طرح اگر روحانی طبیب کسی من پسند عمل کو چھوڑنے کا حکم دے تو اُسے بھی بالکلیہ چھوڑ دینا چاہیے، تاکہ ہر طرح سے قلب کی صفائی ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ قلبی مریض کو چاہیے کہ روحانی طبیب یعنی مرشد کامل کے ہر حکم کی تعمیل کرے، خواہ وہ اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، تب تو مرض ٹھیک ہونے کی امید ہے، ورنہ بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

٭٭٭

مخدوم شیخ سعد خیرآبادی قدس اللہ سرہٗ (۹۲۲ھ) کے قلم سے

مشہور متن تصوف

رسالہ مکیہ

کی عالمانہ و عارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت و طریقت کا انسائیکلوپیڈیا اور سالکین و طالبین کے لیے دستور العمل ہے

حضرت مولانا ضیاء الرحمن علیمی نے اس کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ مکمل کرلیا ہے جو اَب نظر ثانی کے مرحلے میں ہے۔

تحقیق و تخریج کے ساتھ بہت جلد اشاعت پذیر ہورہی ہے۔ (ان شاء اللہ)

دین کی عصری تعلیم

ہندوستان میں جب اسکول نہیں تھے اس وقت مدارس سے ہی علم کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ تاج محل اور جامع مسجد کے معمار کسی یونی ورسٹی کی پیداوار نہیں تھے، ان کا تعلق مدارس ہی سے تھا۔ جب ہر طرف جہالت تھی تو مدارس کے فارغین ہی علم کی روشنی تقسیم کر رہے تھے۔ وہی کتاب وسنت کا درس بھی دیتے، تصوف کے اسباق بھی پڑھاتے، ایک مثالی کردار بھی پیش کرتے اور اس کے ساتھ عدالتی دستاویزات بھی پڑھتے، لوگوں کی جائیدادوں کی تقسیم اپنے علم سے کرتے، ان میں پیدا اختلافات کو اپنے ناخن تدبر سے حل کرتے۔ اس وقت علما صرف دو رکعت کے امام نہیں ہوتے بلکہ عوام اپنے تمام معاملات اور ہر قسم کی الجھنوں میں علما سے رجوع کرتے اور علما انھیں حل بھی فرماتے۔

گاؤں اور شہروں میں مدرسے کے فارغین آج صرف میلاد خواں اور نکاح خواں بن کر رہ گئے ہیں۔ عوام کی زندگیوں کے جو دوسرے سماجی، اقتصادی اور سیاسی پہلو ہیں ان سے فارغین مدارس کو کوئی سروکار نہیں، بلکہ عام طور پر انھیں اس قابل سمجھا بھی نہیں جاتا۔ بسا اوقات اس چکّی میں مدارس کے وہ فارغین بھی پس جاتے ہیں جو ذاتی طور پر دنیاوی معاملات کا شعور رکھتے ہیں۔ میرے بعض احباب مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آج مدارس کے فارغین صرف امام پنج گانہ، میلاد خواں اور نکاح خواں بن کر کیوں رہ گئے ہیں؟ میرا جواب ہے کہ اس کی وجہ مدارس کی غیر عصری تعلیم ہے۔ جو زمانے میں ہو رہا ہے وہ مدارس میں پڑھایا نہیں جاتا اور جو مدارس میں پڑھایا جاتا ہے وہ زمانے میں ہو نہیں رہا۔ فارغین مدارس ذہنی طور پر جب اپنے زمانے کے ہیں ہی نہیں تو پھر بھلا ان سے اس زمانے کی امامت اور رہنمائی کی توقع کیوں کر رکھی جائے!

اہل مدارس میں تعلیم کے حوالے سے دین و دنیا کی واضح تفریق ہے۔ وہ مدارس کو دینی تعلیم کا مرکز سمجھتے ہیں۔ مدارس میں دنیاوی علوم کی شمولیت کو غیر ضروری ہی نہیں ضرر رساں بھی سمجھتے ہیں۔ ایسے میں نتیجہ تو وہی ہوگا جو ہے۔ نہ اس پر کسی حیرت کی ضرورت ہے اور نہ کسی شکوے کی۔ ہاں! حیرت اس بات پر ضروری ہے کہ موجودہ مدارس کا نصاب بالعموم عصر حاضر کی دینی ضرورت کی تکمیل سے بھی قاصر ہے۔ مدارس کا موجودہ نصاب و نظام طلبہ کی فکری، علمی اور اجتہادی صلاحیتوں کو ابھارنے کی بجائے کچل کر رکھ دیتا ہے۔ رجوع الی الکتاب، رجوع الی السنہ، فہم اجماع، علم اجتہادات اور شعور اجتہاد کا مدارس کے طلبہ میں مکمل فقدان ہے۔ اس کے برخلاف وہ تقلید در تقلید کے خوگر ہیں۔ خدانخواستہ میرا نشانہ مقلدین کے مدارس نہیں، غیر مقلدین کہے جانے والے مدارس کے طلبہ بھی تقلیدی شراب کے ایسے خوگر ہیں کہ وہ نئے مسائل پر خود سے غور و خوض کرنے کی ہمت نہیں جٹا سکتے۔

انھوں نے اپنی گردن سے امام ابو حنیفہ، امام مالک،

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی تقلید کا قلادہ ضرور اتار پھینکا ہے لیکن اس کے بعد ان ائمۂ اعلام سے نہایت کم درجے اور بعد میں پیدا ہونے والے اپنے بعض محبوب علما کی تقلید پر غیر اعلانیہ قسم کھا رکھی ہے۔ آج مدارس میں تخصص فی الفقہ کے شعبے بھی قائم ہیں جہاں صحیح معنوں میں تخصص فی التقلید کرایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ تقلید سے میری مراد ائمۂ اعلام کی تقلید نہیں ہے۔ یہاں پر تقلید سے مراد یہ ہے کہ ہر مدرسہ اپنے مخصوص افکار و خیالات اور اجتہادات و قیاسات کو اپنے طلبہ کے ذہن میں اس طرح بھر دینا چاہتا ہے کہ اس کے علاوہ ان میں سوچنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو جائے۔ ہر مدرسے کی الگ الگ ترجیحات، امتیازات اور لوازمات ہیں اور وہ اپنے طلبہ کو ان مسائل میں مقلد محض بنا دینا چاہتے ہیں۔ جب مدارس کے نصاب و منہج کا یہ عالم ہے تو بھلا ان سے کیسے توقع رکھی جائے کہ وہاں سے آفاقی فکر کے حامل علما اور دعاۃ و مبلغین پیدا ہوں گے۔ تاریک کوٹھری میں رہنے والے دنیا کو روشنی کی بھیک کیا دیں گے؟ ایسی صورت حال میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے فکر مند افراد کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ مدارس میں دین کی عصری تعلیم رائج کریں۔

دین کی عصری تعلیم سے مراد ایسی تعلیم ہے جو طالب علم میں موجودہ زمانے کی علمی و دینی قیادت کا جوہر پیدا کر سکے۔ طالب علم اپنے عہد سے مکمل باخبر ہو جائے، گرد و پیش میں سیاسی، سماجی، علمی، فکری، اقتصادی اور تکنیکی سطح پر جو کچھ ہو رہا ہے اس سے وہ یکسر نابلد نہ رہے بلکہ ان کا اجمالی علم رکھے اور وہ ان موضوعات پر ان کے ماہرین سے تبادلۂ خیال اور کم از کم استفادے کے لائق ہو سکے۔ اسی طرح نئے حالات نے دین کے لیے جو مسائل پیدا کیے ہیں ان مسائل سے وہ مکمل طور پر باخبر ہو۔ اپنی دینی بات کو براہ راست کتاب و سنت اور عقل کے پیمانے پر سمجھا دینے پر قادر ہو۔ جدید فقہی موضوعات سے باخبر ہو۔ ان پر علمی و فقہی انداز سے گفتگو کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور ان سب کے ساتھ جو دین کا جوہر ہے جسے احسان، تزکیہ یا اخلاص کہتے ہیں اس کا بھی حامل ہو، ورنہ اس کا علم کبھی بھی شیطان کے راستے پر ڈالنے کے لیے کافی ہوگا۔ اس کے لیے براہ راست کتاب و سنت سے استفادے کے ساتھ اگر صادقین، مخلصین، محسنین اور مزکیٰ افراد کی صحبت میسر آجائے تو تعلیمی فراغت کے بعد طلبہ کو ایسوں کی صحبت میں ضرور بھیجا جائے کیوں کہ: وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ (توبہ) اللہ کریم کا واضح فرمان ہے۔

مدارس کے نصاب و نظام کی تبدیلی کا نعرہ گزشتہ سو برسوں سے بلند کیا جا رہا ہے۔ یہ نعرہ تسلسل کے ساتھ آج بھی بلند ہو رہا ہے، اس میں بھی شک نہیں کہ ارباب مدارس نے ان آوازوں پر توجہ دی ہے اور ایک حد تک نصاب و نظام میں تبدیلی بھی آئی ہے۔ اب عام طور پر تبدیلی کے لیے ماحول بن بھی رہا ہے، لیکن ماضی میں پڑھائے جانے والے مواد اور کتابوں کی محبت اہل مدارس کے سینوں میں ایسی رچ بس گئی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ ان سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔ اس باب میں ہمارا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی تمام محبتیں

ایک خاص قسم کی عصبیت اور نفسانیت کی دین ہیں۔ آج حالات بدل گئے ہیں۔ اب مدارس کے نظام و نصاب میں جزوی اور تدریجی تبدیلی کی بجائے اصولی اور یکبارگی تبدیلی ناگزیر ہے۔ دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے خواہاں افراد کا فرض ہے کہ اب وہ مدارس کے نصاب میں اصولی تبدیلی کے لیے تیار ہوجائیں، وہ مدارس کے نصاب و نظام کو ایسا بنائیں کہ مدارس میں عصری دینی تعلیم کا رواج شروع ہوسکے اور غیر عصری دینی تعلیم سے نئی نسل کو نجات ملے۔ ایسے نصاب و نظام کی تشکیل کے وقت عصری دینی تعلیم کے حوالے سے جو نکات اوپر مذکور ہوئے انھیں پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ان کے ساتھ درج ذیل نکات بھی مفید ہوں گے:

۱۔ عربی کی تعلیم آسان ہو کہ بہت جلد طلبہ لکھنے بولنے پر قادر ہوں اور یہ قدرت انہیں فہم کتاب وسنت کے لیے معاون ومددگار ہوسکے۔

۲۔ ہائی اسکول کی سطح تک مدارس میں وہ تمام مضامین پڑھائے جائیں جو عصری طور پر ضروری ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مدارس میں اسکولوں کا ترقی یافتہ نصاب داخل کیا جائے جس میں اسکولنگ کے تمام اہم مضامین انگلش، حساب، سائنس، تاریخ اور سماجیات کے ساتھ ضروری دینی مواد بھی شامل ہوں جن میں قرآن، حدیث، عقیدہ، فقہ اور عربی زبان وادب اہم ہیں۔

۳۔ جدید اور سادہ و عام فہم اسلوب میں لکھی ہوئی کتابیں ہی شامل کی جائیں اور وہ تمام کتابیں ایک ساتھ نصاب سے باہر کردی جائیں جو علم سے زیادہ پندار علم پیدا کرتی ہیں اور فن شناسی سے زیادہ چیستاں بیانی کی حامل ہیں۔

۴۔ تدریس کو بھی آسان کیا جائے اور اس کے لیے بشمول کمپیوٹر ان تمام جدید ذرائع کا استعمال کیا جائے جو کسی بھی اعلیٰ اسکول میں کیے جاتے ہیں۔

۵۔ طلبہ کی نفسیات میں خود اعتمادی کے ساتھ خدا اعتمادی، مزاج میں علمیت کے ساتھ تواضع اور مقصد میں آفاقیت کے ساتھ دعوتی اسپرٹ پیدا کی جائے۔

۶۔ نصاب ونظام کی تشکیل میں جامعۃ الازہر کے نصاب ونظام سے استفادہ کیا جائے اور اس سے بہتر کی فکر کی جائے۔

اگر ایسا کیا جاتا ہے تو مدارس میں ایک نئی زندگی کی واپسی اور اس سے ایک دعوتی انقلاب کی توقع یقینی طور پر کی جاسکتی ہے۔

✲✲✲

علم چھپانا حرام ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
کسی عالم سے علم کے بارے میں کچھ پوچھا جائے اور وہ علم کو چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دی جائے گی۔ (ابوداؤد، کراہیۃ منع العلم)

دنیا اللہ کی ناپسندیدہ ہے

خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ ایک درویش کو اختیار دیا گیا کہ تم چاہو تو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس کو لے لو، یا اس کو لے لو جو آخرت میں تمہارے لیے مہیا کیا گیا ہے۔

اس درویش نے کہا: جو کچھ آخرت میں میرے لیے مہیا کیا گیا ہے، میں اس کو پسند کرتا ہوں۔

جب یہ حکایت پوری ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟

انھوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ایک درویش کو دنیا اور عقبیٰ میں مختار کیا گیا ہے، یہ درویش خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو یہ خبر دے رہے ہیں کہ وہی مختار کیے گئے ہیں۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ بھی اسی طرح اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک دفعہ کسی درویش کا یہ حال تھا، یا کسی درویش نے یہ کیا اور میں سمجھ جاتا تھا کہ وہ خود اپنا قصہ بیان فرما رہے ہیں اور یہ حضرت شیخ ہی ہیں۔

پھر ترک دنیا کے تعلق سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ: گزشتہ زمانے میں ایک بزرگ تھے۔ ایک دفعہ وہ پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ:

یا اللہ! خضر سے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، ان کو اس سے توبہ عطا فرما۔

اتنے میں حضرت خضر بھی آ گئے اور بولے کہ:

اے بزرگ! میں نے کون سا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے کہ اس سے توبہ کروں؟

اس بزرگ نے کہا: تم نے صحرا میں ایک درخت لگایا تھا، اس کے سائے میں خود بیٹھتے ہو، آرام اٹھاتے ہو اور پھر یہ کہتے ہو کہ: میں نے یہ کام اللہ کے لیے کیا ہے۔

حضرت خضر نے اسی وقت توبہ کی۔

اس کے بعد اس بزرگ نے ترک دنیا کے سلسلے میں یہ کہا کہ: ایسے رہو جیسے میں رہتا ہوں۔

حضرت خضر نے کہا: آپ کس طرح رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ اس بزرگ نے جواب دیا: میرا طرز عمل یہ ہے کہ: اگر ساری دنیا مجھے دی جائے اور کہا جائے کہ اسے قبول کرو، تم سے اس کا کچھ حساب نہیں لیا جائے گا، یا یہ کہہ کر مجھے دنیا دی جائے کہ: اگر تم نے دنیا قبول نہ کیا تو تمھیں دوزخ میں لے جایا جائے گا تو میں دوزخ قبول کرلوں گا مگر دنیا داری قبول نہ کروں گا۔

حضرت خضر نے پوچھا: ایسا کیوں؟

انھوں نے جواب دیا: اس وجہ سے کہ دنیا اللہ کی ناپسندیدہ ہے، پس جس چیز کو اللہ نے دشمن جانا ہے، میں اس کے بدلے دوزخ قبول کرلوں گا مگر اسے قبول نہیں کروں گا۔

(فوائد الفواد، ص: ۲۰۳ ویں مجلس)

✲✲✲

محمد ثاقب علیمی

دسویں اور بارہویں کے پاس طلبہ کیا کریں؟

دسویں اور بارہویں کلاس پاس کرنے والے طلبہ اپنے موضوعات کے انتخاب کرنے میں عام طور پر کنفیوژن کے شکار رہتے ہیں، اسی لیے اسکول سے فارغ ہونے والے اکثر طلبہ سے سوال کیا جائے کہ آپ آگے کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو جواب یہی ملے گا کہ:

ابھی کچھ سوچا نہیں ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیں گے کسی کالج میں داخلہ لینا ہے۔

پھر اگر مزید اُن سے سوال کیا جائے کہ کالج میں کون سے مضامین اختیار کریں گے تو ان کا جواب ہوتا ہے:

سائنس، آرٹس یا کامرس وغیرہ۔

یعنی اس مرحلے میں طلبہ میں وہ شعور ہی نہیں پیدا ہو پاتا ہے جس کے تحت وہ آگے کی اپنی تعلیم منصوبہ بند طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔

غرض کہ ایسے طلبہ کے فکر ونظر کا تجزیہ کیا جائے جو کالج میں داخلہ لینا چاہتے ہیں تو ہم ان کی فکر ونظر کو درج ذیل چار خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ کچھ طلبہ ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق خاندانی اعتبار سے کاروبار یا کاشت کاری سے ہوتا ہے، وہ اسی مقصد کے تحت کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں کہ اُنھیں آگے چل کر خاندانی کاروبار ہی تو سنبھالنا ہے۔

۲۔ کچھ طلبہ ایسے ہوتے ہیں کہ گریجویشن کرنے کے بعد یا تو بیکار گھومتے رہتے ہیں یا کوئی چھوٹا موٹا بزنس شروع کر کے اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں۔

۳۔ طالبات کالج میں محض اس غرض سے داخلہ لیتی ہیں کہ کم از کم گریجویٹ ہو جائیں تا کہ شادی میں آسانی ہو جائے۔ ان کے اندر یہ بیداری بھی ادھر حال ہی میں آئی ہے۔

۴۔ چند ہی طلبہ ایسے ہوتے ہیں جو کسی خاص مقصد کے تحت کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں۔

مؤخر الذکر طلبہ ہی اپنے کیریئر کے معاملے میں سب سے زیادہ حساس اور بیدار مغز ثابت ہوتے ہیں۔ پہلے دو قسم کے طلبہ کیریئر کونسلنگ (Career Counseling) اور کیریئر گائیڈنس (Career Guidence) سے لاپرواہ ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کو اس کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ہوتا ہے۔ وہ ایسے خاندانی پس منظر سے آتے ہیں جہاں صرف دو وقت کی روٹی حاصل کر لینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یا پروفیشنل کیریئر ان کی نظر میں محض روپیوں کا ضیاع اور وقت کی بربادی ہے۔ اچھے خاصے تجارتی پس منظر سے تعلق رکھنے والے طلبہ اپنے ذہن میں یہ بٹھا کر آتے ہیں کہ مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری اور پروفیشنل کورسیز (Professional Course) کرنے سے کیا فائدہ، جب کہ آخر میں والدین کے کاروبار ہی میں لگنا ہے۔ اس لیے وہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ چوتھی قسم کے طلبہ میں خواہش تو ہوتی ہے کہ کسی اچھے پروفیشنل کورسیز میں

داخلہ لے کر اچھا کیریر بنائیں لیکن وہ دو تین بار ہی میڈیکل یا انجینیئرنگ (Engineering) کے ٹیسٹ میں بیٹھ کر تھک جاتے ہیں اور مایوس ہوجاتے ہیں کہ شاید یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔حالانکہ ایسانہیں ہے۔ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس طرح کے طلبہ کو کیریئر کے دیگر مواقع سے بھی با خبر رکھا جائے، کیوں کہ کیریئر کا انتخاب کوئی ہنگامی چیز نہیں ہے، بلکہ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کے ساتھ کیریئر کا انتخاب کرنا آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

اگر طلبہ اپنی پسند اور دلچسپی کے اعتبار سے موضوع کا انتخاب کریں تو وہ یقینی طور پر اپنے مستقبل کو روشن اور تابناک بنا سکتے ہیں، مثلاً:

سائنس اسٹریم

سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالب علموں کے لیے یہ سب سے بہترین اسٹریم ہے۔اس میں بایولوجی اور ریاضی کی کلاسیز آتی ہیں۔بایولوجی کے ساتھ فزکس، کیمسٹری، ہندی، انگریزی وغیرہ موضوعات بھی لے سکتے ہیں، اسی طرح ریاضی کی کلاسیز کے ساتھ فزکس، کیمسٹری، ریاضی، ہندی، انگریزی وغیرہ جیسے موضوعات کو منتخب کر سکتے ہیں۔

کامرس اسٹریم

کامرس بھی طالب علموں کے لیے بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ایسے طالب علم جن کی دلچسپی تجارتی تنظیم، اعداد و شمار وغیرہ کے موضوعات میں ہے، وہ کامرس موضوع منتخب کر سکتے ہیں۔اس سبجیکٹ میں بارہویں کے امتحان پاس کرنے کے بعد آپ بزنس اکاؤنٹنگ (Business Acaunting)، فائنانشیل اکاؤنٹنگ (Financial Acaunting)، اڈیٹنگ (Editing)، بزنس لاء (Business Law)، بزنس فائنانس (Business Finance)، مارکیٹنگ (Marketing)، بزنس کمیونیکیشن (Business Comunication) وغیرہ مضامین میں گریجویشن کر سکتے ہیں۔کامرس اسٹریم (Commerce Stream) منتخب کرنے والوں کے لیے مستقبل میں ایم بی اے، سی ایس اور سی، اے، جیسے تمام کورسیز کیریئر کے متبادل بن سکتے ہیں۔

آرٹ اسٹریم

جن طالب علموں کو تاریخ، جغرافیہ، سیاست، سوشل سائنس، سماجیات، معاشیات وغیرہ مضامین میں دلچسپی ہو، وہ دسویں کلاس پاس آؤٹ کے بعد آرٹ اسٹریم (Art Stream) کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

بارہویں پاس آؤٹ کے بعد قابل انتخاب پیشے

دسویں کے بعد جہاں طالب علموں کو مختلف موضوعات منتخب کرنا ہوتے ہیں، وہیں بارہویں کے بعد انھیں ایسے پیشہ کا انتخاب کرنا بھی پڑتا ہے جو اُن کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنا سکے۔پیشہ منتخب کرنے کا مقصد یہی ہے کہ سائنس

اسٹریم (Science Stream) کے طلبا کو میڈیکل (Medical)انجینئرنگ (Engineering)، منیجمنٹ (Management)،آئی،ٹی(I.T.)وغیرہ کی پھیلی ہوئی شاخوں میں سے کسی ایک سے جوڑا جاسکے،اگر طلبہ روایتی کورسیز کی جانب رخ کرنا چاہتے ہیں توبی اے،بی ایس سی اور بی کام کے راستے ان کے لیے کھلے ہیں۔

پروفیشنل کورسیز

وقت کے ساتھ ہی پروفیشنل کورسیز کا رواج بھی بڑھتا جارہا ہے۔زیادہ تر طالب علم پروفیشنل کورسیز کومنتخب کر کے اپنا کیریئر سنوارتے ہیں۔پروفیشنل کورسیز کی جہاں تک بات کی جائے تو اس میدان میں ایسے بے شمار کورسیز شامل ہیں جن میں قسمت آزمائی کی جاسکتی ہے، ان میں ایم بی اے (M.B.A.)، بی بی اے(B.B.A.)،بی سی اے (B.C.A.)،میڈکل(Medical)،انجینئرنگ (Engineering)،ہوٹل منیجمنٹ (Hotel Management)،فیشن ڈیزائن (Fashion Design)، نیوی(Nevy)،مرچنٹ نیوی (Marchent Nevy)،آرمی(Army)اورمیڈیا(Media) سے منسلک شعبوں کومنتخب کر کے نوجوان اپنے کیریئر کوبہتر سے بہتر بنا سکتے ہیں۔ان کورسیز کا انتخاب کرتے وقت طالب علموں کے لیے کئی طرح سے احتیاط برتنے کی ضرورت ہے،جیسے ادارے کی تفصیل،اس کی حیثیت،فیکلٹی(Faculty)،فیس اور دیگر سہولیات وغیرہ کے بارے میں معلومات۔

کمپیوٹر

جس قدر تیزی سے کمپیوٹر کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے، اسی قدر تیزی سے اس کو لازمی طور پر اپنانے پر بھی زور دیا جانے لگاہے۔نوکری کے مدنظر کمپیوٹرنہایت اہم موضوع ثابت ہوتا ہے،جیسے ڈی،ٹی،پی(D.T.P.) اورڈیزائنگ (Design)وغیرہ۔

سدابہار متبادل

آرٹ اسٹریم سے پڑھنے والے زیادہ تر طلبہ ویسے تو سول سروسیز کی تیاری میں لگے رہتے ہیں،لیکن اس کے علاوہ پروفیشنل طور پر ایم بی اے(M.B.A.)،جرنلزم (Journalism)،مارکیٹ اینالیسس (Marketing Analyses)،آفس منیجمنٹ (Office Management)ہیومن ریسورس (Human Resources)،ایم ایس ڈبلیو(M.S.W.)وغیرہ شعبوں میں بھی کیریئر کے سنہرے مواقع موجود ہیں۔اس کے اور بھی بہت سے کورسیز ہیں جن میں طالب علم اپنی پسند سے مستقبل کو روشن کر سکتے ہیں۔

لیکن شرط یہ ہے کہ دین فراموش کر کے نہیں، بلکہ دین کے ساتھ اوراس نیت کے ساتھ کہ دنیا میں جا کر دنیاداروں تک دین کی باتیں پہنچائیں گے اور دین کے راستے میں خرچ بھی کریں گے تاکہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی بن جائے۔جس کے سبب اصل زندگی یعنی آخرت سنور جائے۔

✲✲✲

آپ کے SMS

مکرمی! سلام مسنون

بلاشبہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ماہنامہ ''خضرراہ'' الہ آباد کی پوری ٹیم معتدل اور مثبت فکر کی حامل ہے جس کا واضح ثبوت ماہنامہ میں شائع شدہ تحریریں ہیں، جس میں دینی باتیں خلط ملط کرنے کے بجائے نہایت معتدل انداز میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہر شخص خواہ وہ خاص ہو، یا عام، جاہل ہو یا عالم، ان تحریروں سے متأثر ہوتا ہے اور آج کے اس مادی دور میں روحانی تسکین بھی حاصل کرتا ہے۔

یہ کہنے میں ہمیں کوئی جھجھک نہیں کہ موجودہ دور میں اہل سنت وجماعت کو جن چیزوں کی ضرورت ہے انھیں یہ ماہنامہ بخوبی فراہم کررہا ہے، اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ہم امید کرتے ہیں کہ گلستان اہل سنت میں پھر سے بہاریں آئیں گی اور عملی طور پر تصوف وروحانیت کا ایسا انقلاب پیدا ہوگا جس کی برکت سے ہر انسان کے دل میں اللہ کا ذکر غالب ہوجائے گا۔

(ان شاءاللہ) امان اللہ محمدی، داراپٹی، مظفر پور

ماہنامہ خضر راہ کا ہر شمارہ مومن کو ایمان کی اصل معرفت کراتا ہے۔ اس ماہنامہ کو پڑھ کر عوام تو عوام خواص بھی اپنے ایمان کا جائزہ لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کی عمر لمبی کرے۔ (آمین)

محمد شہروز مصباحی۔ نوری دارالافتا۔ ممبرا (مہاراشٹر)

السلام علیکم!

مئی کا تازہ شمارہ ملا۔ خضر راہ میں مجھے داعئ اسلام کے فرمودات بہت پسند آتے ہیں۔ اس بار ''علما مثل آب ہیں'' مجھے بہت پسند آیا۔

محمد اعظم، بنگلور، (کرناٹک)

السلام علیکم!

''خضرراہ'' پڑھتا ہوں، بڑا اچھا لگتا ہے۔ یہ دلوں کی راحت، دماغ کے لیے سکون اور جن باتوں کو ہم بھول چکے ہیں ان کی یاددہانی کرانے والا رسالہ ہے۔ میرے خیال میں ''خضرراہ'' ہر ہفتے نکلے تو اچھا ہوتا۔ دو ہی دن میں پورا ماہنامہ پڑھ لیتا ہوں اور پھر ۲۸/۲۹/دن کاٹنا مشکل ہوجاتا ہے۔

محمد تقی، فتح پور

فروری مارچ کا ماہنامہ خضر راہ کا شمارہ ملا، پڑھ کر خوشی محسوس ہوئی۔ ماہنامہ کے تمام مضامین قابل تحسین ہیں۔

حشمت امجدی، مدھوبنی (بہار)

السلام علیکم!

ماہنامہ خضر راہ لیتا ہوں۔ میرا ایک سوال ہے۔ توحید کیا ہے؟ برائے کرم اگلے ماہ میں ضرور توحید کے بارے میں لکھیں۔ شکرگزار رہوں گا۔

پرویز، آرہ (بہار)

ہمیں خضر راہ کا ہر مضمون پیارا لگتا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو عروج وترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

ایم لئیق میاں، پیلی بھیت (یوپی)

جون کا ماہنامہ پڑھا، تصوف کے بہت سارے نکات اخذ کیے۔ میں انتظار کررہا ہوں کہ دل کے اسرار ورموز پر کوئی آرٹیکل آئے۔

دانش عطاری، گملا

آج کے اس بے راہ روی کے دور میں یہ رسالہ یقینا خضر راہ ہے۔سارے مقالے لائق مطالعہ اور قابل عمل ہیں۔

رفاقت علی ثقلینی ،ہکراله، بدایوں

خضر راہ کا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا۔عرفانی مجلس ہمیشہ کی طرح لاجواب ہے۔زکاۃ سے متعلق شاید ہی کوئی ایسا گوشہ باقی رہ گیا ہو جس کی وضاحت نہ ہوگئی ہو۔

ڈاکٹرعرفان نجف علیمی ،ایڈیٹر'نوائے طب وصحت'الہ آباد

قلبی امراض کی ایک مفید ٹانک ماہنامہ خضر راہ ہاتھوں میں موجود ہے۔رمضان اور زکاۃ پر مشتمل سارے مضامین بہت ہی معنی خیز اور ذہنی فکر میں اضافہ کررہے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ روح کو عمل کی جانب بے قرار کررہے ہیں۔

''ماہنامہ میں کوئی ایسی چیز جو آپ کو پسند نہیں؟''

یہ عبارت نہ تحریر کریں تو ہمارے لیے بہتر ہوگا، کیونکہ ماہنامہ میرے لیے ٹانک ہے جو روحانی امراض میں مبتلا ہم جیسے لوگوں کو صحت یاب کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ہم ان مریضوں میں سے نہیں ہیں کہ کڑوی دوا دیکھتے ہی کہہ دیں کہ: یہ دوا مجھے نہیں پسند ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو''خضر راہ ٹانک'' کی خوراک لینے کی توفیق بخشے۔(آمین)

محمد قیس خان، تمئی، کوشامبی

یہ رسالہ ہر جہت سے لائق تعریف ہے ،اگر پروف ریڈنگ کی غلطیوں پر توجہ دی جائے تو اس کے حسن میں اور اضافہ ہوجائے گا۔ بالخصوص عربی عبارت پر۔

اصغرعلی مصباحی، نیپال

آپ اپنے تاثرات ای میل یا سیل فون کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔

ہمارا میل اور سیل فون نمبر یہ ہے:

E-mail: khizrerah@gmail.com

Mobile: 9312922953

ماہنامہ خضر راہ کے نئے قارئین کے لیے ایک خوشخبری

شاہ صفی اکیڈمی کی جانب سے پیش ہے خوبصورت اور مضبوط جلد میں

پرانے شماروں کا مجموعہ

قیمت: 300/روپے

آرڈر بک کرانے کے لیے رابطہ کریں:

ماہنامہ خضر راہ، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد) یوپی۔پن کوڈ:212213

Mob: +91-7860604036 / +91-9312922953

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آفاق	دنیا، کائنات	پندارِ علم	علم کا غرور
اسلاف	اگلے زمانے کے لوگ، مراد انبیا و اولیا	تدریجی تبدیلی	آہستہ آہستہ تبدیلی
افادیت	فائدہ	ترجیحات	ترجیح کی جمع، اہم چیزیں
افراط	زیادہ کرنا، حد سے بڑھا دینا	تجویز	رائے
الحاد	بے دینی، اللہ کا انکار	تعلیق	تبصرہ، حاشیہ
اقل ترین	سب سے کم	تفریط	کم کرنا، حد سے گھٹانا
امرد	کمسن لڑکا، جس کی ریکھیں نکل رہی ہوں	جاروب کشی	جھاڑو دینا
ائمہ اعلام	دین کے عظیم رہنما	چیستاں بیانی	پہیلی بجھانا
استرجاع	انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا	حلاوت	مٹھاس، شیرینی
اصاغر	اصغر کی جمع، چھوٹے لوگ	حسن	صحیح سے کم اور ضعیف سے بلند درجے کی حدیث
اکابر	اکبر کی جمع، بڑے لوگ، اسلاف	حدیث ضعیف	جس میں حدیث صحیح کی شرائط موجود نہ ہو
اشدحباللہ	اللہ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے	خندہ پیشانی	خوش دلی، چہرے کی مسکراہٹ
ارتکاب	جرم کرنا، غلطی کرنا	خرقہ	کپڑا، کپڑے کا ٹکڑا، مشائخ کا دیا ہوا خصوصی کپڑا
انفس	نفس کی جمع، انسان کی ذات	خوگر	عادی
اربابِ بصیرت	عقل و فہم والے لوگ	دانگ	ایک پیمانہ، ایک گرام سے کم، درم کا چوتھائی کا حصہ
اصحابِ صفہ	صفہ پر بیٹھنے والے صحابہ	دجال	مکار، بہت زیادہ فریبی
استقامت	شریعت پر قائم رہنا	زائرین	زیارت کرنے والے
براءت	نجات، چھٹکارا، بیزاری	سرنگوں	سر جھکانے والے
بردباری	نرمی، نرم مزاجی	شاذونادر	مشکل سے ملنے والی چیز

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
صفت ملکوتی	فرشتوں کی صفت	محسنین	محسن کی جمع، نیک لوگ، احسان کرنے والا
صفات تنزیہی	وہ صفات جن سے اللہ کی پاکی کا اظہار ہو	متنفر	بیزار، نفرت کرنے والا
ضعیف الاعتقاد	کمزور عقیدہ والا	موزوں	مناسب
ضرررساں	تکلیف دینے والا، نقصان دہ	منطقی	عقلی، عقل میں آنے والی بات
ضیاع	نقصان، بربادی	منتخب	چنا ہوا
فقدان	ختم ہونا، نہ ہونا	مستند تالیف	بھروسہ مند کتاب
فن شناسی	فن پہچاننا	معتکف	اعتکاف کرنے والا
فخر ومباہات	اپنی چیزوں پر فخر کا اظہار کرنا	محرمات	حرام چیزیں، وہ خواتین جن سے نکاح حرام ہو
فحش گو	بدزبان	متشدد	سخت مزاج
فی نفسہ	اپنی ذات میں، بذات خود	منافی	خلاف
قاصر	عاجز، مجبور	مشکیزہ	چمڑے کا بنا ہوا پانی کا برتن
قلب سلیم	سیدھا اور پاک وصاف دل	نابلد	ناواقف
قائم ودائم	موجود اور باقی	ناگزیر	ضروری
کیف ونشاط	مستی	نص قطعی	قرآن کی واضح آیت یا متواتر حدیث
گردونواح	آس پاس، قریبی علاقہ	نص ظنی	غیر واضح دلیل
لادینیت	بے دینی	ناقد	تنقید کرنے والا
معتدل	میانہ رو، درمیانہ	ناخن تدبر	عقل کے ناخن، مراد حکمت
موحدین	ایک اللہ کو ماننے والے		
ممنون	احسان مند، احسان ماننے والا		
ماذون	اجازت پایا ہوا		
متوسلین	نسبت ومحبت رکھنے والے لوگ		

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الٰہ آباد واطراف

ابومیانز شاہی اسٹور، (نرالا سویٹ ہاؤس) نوراللہ روڈ، الٰہ آباد-9839457055
محمد قیس خان، ممتاز العلوم، ممبئی، کوشامبی-9936890704
محمد زبیر عالم، گریاواں، منصور آباد، الٰہ آباد-9795252994
مکتبہ نور، نوراللہ روڈ، الٰہ آباد-9415646355
محمدیہ بک ڈپو، اسٹیشن روڈ، کھاگا، فتحپور-9936958324
محمد امتیاز، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082
حجاز بک ڈپو، سیف آباد، پرتاپ گڑھ، یوپی-9839112969
عمران احمد، بابوپوروا، کانپور-9839101833
مولانا منور حسین، سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245
حافظ نیر اعظم، کینٹ روڈ، لال باغ، لکھنؤ-9125139191
منظور الحسن نیوز پیپر ایجنٹ، شاپ نمبر 6، بیپر مارکیٹ، کانپور-8960539848
مدرسہ فیض العلوم صابریہ، گاندھی نگر، آگرہ-9286192523
حافظ محمد ظہیر، شکار پور روڈ، بلند شہر-9058220141

ممبئی واطراف

حکیم سرفراز حسین، سنی جامع مسجد، چمڑا بازار، دھاراوی، ممبئی-9819291874
شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066
محمد ابراہیم، شولاپور، مہاراشٹر-9421067863
ابراہیم، منگل گیری، شولاپور-9421067863
عبدالوہاب، ہاؤسنگ بورڈ، مڈگاؤں، گوا-9763900918
عادل نورانی، الامین مسجد، سلطانیہ جمخانہ، سورت-9879657766
گلشن میڈیکیئر، سکندر آباد، حیدرآباد-27716760
خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386

جنوبی ہند واطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263
مولانا مشتاق، بیلگام، کرناٹک-8147449067
عزیز صدیق احمد، H.K.P. روڈ، بنگلور-9343324034
غلام ذوالنورین، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623
قریشی نیوز ایجنسی، درجک سنیماروڈ، راورکیلا، اڑیسہ-9439499458
حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382
روشن درسی کتب خانہ، موتی نالہ، جبل پور-9752705786

دہلی واطراف

خواجہ بک ڈپو، مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی-9910865854
مولانا عبدالودود، النور مسجد، جنک پوری، دہلی-9650203792
راجا اسٹیشنری، شاہین باغ، Ext روڈ، نئی دہلی-9891590739
مولانا شفیق، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786
الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740
شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854
حافظ ہارون، قلعہ والی مسجد، اٹاوہ-7417842567
گلاٹی نیوز ایجنسی، بس اسٹنڈ مہرولی، دہلی-9250225954
حاجی حبیب اللہ، نیوسیلم پوری، نئی دہلی-9818225177

کولکاتا واطراف

نیوز پیپر ایجنٹ، رابندرا سارانی، کولکاتا-9748210140
بک اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 16-9330643486
خانقاہ نعمتی، مٹیابرج، کولکاتا-09831746380
مدرسہ سلیمیہ، فیض العلوم، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851
نسیم بک ڈپو، کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992
رضا بک سینٹر، روشن گلدار لین، تکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827
نوری بک ڈپو، پاچھورسیا، کنجریا بازار، اتر دیناجپور-09734035478
انجمن وابستگان سلاسل تصوف، کنجریا، اسلام پور-08972468561

بہار واطراف

نوری بک سیلر، پورب چوک، بائسی، پورنیہ-08986235393
امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993
دلکش بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353
بک ایمپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-9304888739
مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625
انصار بک ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579
مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا-9939479919
رضا بک سیلر، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9431475679
دارالعلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786
مکتبہ واجدیہ، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار-9304514097
عامر نانگبوری، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں:9312922953

شرح اشتہارات اور سالانہ ممبرشپ کی تفصیل

SUBSCRIBE TODAY:

Fill in this form with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia, Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Name:..

Village:...

City.........................State...........................Pin Code:..................

Tel. No:.....................................E-mail:.....................................

MAHNAMA KHIZR-E-RAH SUBSCRIPTION FARE:

One Year	:	200
Five Years	:	900
Life Time	:	5000

ADVERTISING RATES:

Cover page Colour	Half Page Colour	Black & White
Back Cover 10000.00	Back Cover 5000.00	Full Page 3000.00
Front Inside Cover 8000.00	Front Inside Cover 4000.00	Half Page 2000.00
Back Inside Cover 8000.00	Back Inside Cover 4000.00	

ADVERTISING AND SUBSCRIPTION OFFICE

Shah Safi Academy, Jamia Arifia,
Saiyed Sarawan, Kaushambi,
Allahabad,(UP) Pin: 212213
Mob: 9312922953, 08382923993
E-mail: khizrerah@gmail.com